نغمات حریت

منتخب کردہ

خلیق انجم

مزید انتخاب، ترتیب و دیباچہ

شمس الرحمٰن فاروقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک -1، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

نغمات حریت

منتخب کردہ

خلیق انجم

مزید انتخاب، ترتیب و دیباچہ

شمس الرحمٰن فاروقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

ویسٹ بلاک -1، آر. کے. پورم، نئی دہلی-110066

پہلی اشاعت جنوری 2007
تعداد 550
قیمت 219
سلسلہ مطبوعات 1289

Naghmat-e-Hurriyat
Edited by **Khaliq Anjum & Shamsur Rahman Faruqi**

ISBN :81-7587-235-7

ناشر ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک۔1، آر کے پورم، نئی دہلی۔110066
فون نمبر 26103938، 26103381، 26179657، فیکس 26108159
ای۔میل urducoun@ndf vsnl net in، ویب سائٹ www urducouncil nic in
طابع میکاف پرنٹرس، 2847، بلبلی خانہ، ترکمان گیٹ، دہلی۔110 006

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے اُن اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی داخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدارسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور نکھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق انسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور سائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر علم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی بولی نے والی اور پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب

ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان نے مختلف علوم و فنون کی جو کتابیں شائع کیں ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھرپور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے اب ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا پروگرام شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہلِ علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گی کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر علی جاوید
ڈائرکٹر

فہرست

حصۂ اول: احتجاج، انتقاد، اندوہ

حصۂ دوم: جنگی معرکے

حصۂ سوم: قومی یکجہتی اور ملک کی آزادی

حصۂ چہارم: جدوجہد آزادی اور انقلاب

✸

دیباچہ

ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی، اور پھر تاج برطانیہ کی حکومت نے جہاں بہت سی اچھی بری چیزیں پیدا کیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے ملک کے ادیبوں میں قوم پرستی کے جذبات پیدا کئے۔ یہاں لفظ ''قوم'' سے مراد وہ مبہم، لیکن بے حد حقیقی وجود ہے جسے ہم ''ہندوستانی قوم'' کہتے ہیں۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ ہندو تہذیب میں ''قوم'' کا کوئی تصور نہیں، اور اسلامی تصور حیات میں ''قوم'' کی جگہ ''امت'' کا تصور ہے، یعنی وہ سب اگلے پچھلے لوگ جو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے پیرو ہیں، ان کا مجموعہ ''امت'' کہلاتا ہے، اور کسی مقررہ وقت پر جو لوگ خود کو پیغمبر اسلام کی ''امت'' شمار کرتے ہیں، انھیں ''ملت اسلامیہ'' کہا جاتا ہے۔ رنگ، نسل، یا زبان کے تاملات سے ماورا ''ملت'' یا ''امت'' کا یہ تصور آج کے ذہنوں میں ایک بین الاقوامی وحدت کا تاثر پیدا کرتا ہے اور یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ جغرافیائی، یا لسانی، یا مذہبی، یا سیاسی بنیادوں پر قائم کسی ''قوم'' کی گنجائش اس وحدت میں نہیں ہے۔

تو پھر ہم نے ''ہندوستانی قوم'' کا تصور کہاں سے حاصل کیا، اور برصغیر کی جد و جہد آزادی کی تاریخ میں ''ہندوستانی قوم'' کے اس تصور کی کیا اہمیت ہے؟ یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ ''قوم'' ایسا سماجی وجود ہے جو مختلف قسم کے افراد پر مشتمل ہو لیکن جن کے انسانی تصورات (آزادی، حاکمیت، سالمیت، بنیادی حقوق، نجی اموال و املاک کا احترام، سماجی اداروں کی ضرورت اور معنویت، امن اور جنگ قائم کرنے کے طریقے) کم و بیش ایک ہوں، یا اگر کم و بیش ایک نہ بھی ہوں تو ان میں مطابقت پیدا ہو سکتی ہو، یا پیدا کر لی گئی ہو۔ ہندوستانی سماج میں یہ تصور

وحدت سبک ہندی کی فارسی شاعری، پھر اردو شاعری، خیال کی موسیقی، اور سب سے بڑھ کر صوفیوں، درویشوں، اور سادھوسنتوں کی بدولت پیدا ہوا۔ اٹھارویں صدی آتے آتے یہ تصور اس قدر مقبول عام تھا اور اتنی دور دور تک پھیل گیا تھا کہ مراٹھوں کے علاقے میں شاہ تراب خطائی ۱۷۴۰ کے آس پاس مراٹھی سنت گیا نیشور کی طویل نظم ''من سمجھاون'' کا منظوم اردو ترجمہ کرتے ہیں تو بنارس میں ایک برہمن موسیقی کی ایک سنسکرت کتاب کا ترجمہ فارسی میں کرتا ہے (۱۷۱۹)، اور اس صدی کے ربع آخر میں رنگین بلگرامی اودھی زبان اور اردو رسم الخط میں معشوق کا سراپا لکھتے ہیں جس میں اسلامی اور ہندو دونوں تہذیبوں سے مضامین مستعار لیے گئے ہیں۔ اسی طرح ۱۷۲۹ میں سوائی راجا جے سنگھ نے علم ہیئت پر البرچندی کی ایک کتاب کا ہندی (یعنی آج کی زبان میں اردو) ترجمہ ایک مسلمان اور ایک ہندو عالم کی مدد سے تیار کرایا۔

یہ تاریخ کی بوالعجبی ہے کہ اٹھارویں صدی ہی میں ہندوستان نے انگریزوں کی بالادستی کے قیام و استقلال کے تکمیلی مناظر دیکھے۔ ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹) اور قلعۂ دہلی میں بادشاہ شاہ عالم کا انگریزوں کی ''حفاظت'' میں آجانا (۱۸۰۳)، ان واقعات نے ہندوستان کے سیاسی زوال پر حتمی مہر لگادی۔

اعتبار صبر و طاقت خاک میں رکھوں ظفر
فوج ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا

(بہادر شاہ ظفر، دیوان اول)

توڑ جوڑ آوے ہے کیا خوب نصاریٰ کے تئیں
فوج دشمن سے وہیں لیتے ہیں سردار کو توڑ

(مصحفی، دیوان ہشتم)

اہل ہند کے دل و دماغ میں انگریز کے خلاف غصے اور نفرت کی جو لہر دوڑی اس نے رفتہ رفتہ احتجاج اور پھر قومی شعور حریت کی شکل اختیار کر لی۔ یہی قومی شعور آہستہ آہستہ ''ہندوستانی

"قوم" کے تشخص میں بدل گیا۔ اس تشخص کی تشکیل میں اردو شعرا اور اردو کے لوک گیت نگاروں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ اس بات کے پیش نظر، کہ اردو شعرا کے یہاں قومی شعور حریت کا احساس اور انگریز کی چیرہ دستیوں پر احتجاج اٹھارویں صدی ہی سے جھلکنے لگتا ہے، ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہندوستانی قومی شعور کی بیداری، انگریز کو غیر قوم اور بیرونی حاکم سمجھنا، اور ملک پر انگریزی تسلط کے سیاسی مضمرات کا احساس، ان سب باتوں میں اردو ادب کو ہندوستان کی بقیہ تمام ادبی روایتوں پر تفوق زمانی حاصل ہے۔ کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے بھی اردو ادب کا پلہ سب پر بھاری پڑے گا۔ مصحفی نے "مجمع الفوائد" نام کا ایک چھوٹا سا فارسی رسالہ اپنے حالات کے بیان میں لکھا تھا۔ اس کی تاریخ نہیں متعین ہو سکی ہے، لیکن اغلب ہے کہ یہ ۱۸۰۰ کے آس پاس لکھا گیا ہوگا۔ اس رسالے میں مصحفی ایک جگہ صاف صاف لکھتے ہیں کہ ہمارے ملک کی تقدیر اسی وقت بدلے گی اور اس کے حالات میں اصلاح اسی وقت ہوگی جب یہ ملک انگریزی تسلط سے آزاد ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ انگریز حاکم کے خلاف براہ راست سیاسی احتجاج کی ہندوستانی ادب میں یہ پہلی مثال ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں احتجاج کی آواز بڑھتی جاتی ہے اور پھر نعرہ و دعوت انقلاب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

سراج الدولہ کے ماتم میں راجا رام نرائن موزوں نے غزل کے استعاراتی رنگ میں لکھا تھا (۱۷۵۷)۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

چند ہی سال بعد جرأت نے سراج الدولہ کے غاصب جانشینوں کے بارے میں صاف صاف بے استعارہ لکھا لیکن تشبیہ زبردست لائے، رباعی۔

سمجھے نہ امیر ان کو کوئی نہ وزیر
انگریز کے ہاتھ اک قفس میں ہیں اسیر

جو کچھ وہ پڑھائیں سو یہ منھ سے بولیں
بنگالے کی مینا ہیں یہ پورب کے امیر

ہم اکثر بھول جاتے ہیں کہ ۱۸۵۷ کے علاوہ بھی کئی مواقع ہماری تاریخ میں ایسے ہیں جب اہل ہند نے انگریز کے خلاف تلوار اٹھائی۔ بنارس اور بریلی اور ویلور کے واقعات تاریخوں میں درج ہیں۔لیکن ان کے علاوہ بھی چھوٹے موٹے سورماؤں نے اپنے اپنے طور پر انگریز کے خلاف خونیں معرکے گرم کیے۔انھیں میں سے ایک جنگ سہارن پور میں پیش آئی جس میں ایک جانباز نے گھر اور قصبے والوں کے منع کرنے کے باوجود انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور بالآخر جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ غالباً ۱۸۲۰ کا ہے اور ایک اردو لوک گیت میں اسے امر کر دیا گیا ہے۔ یہ لوک گیت ہم نے زیر نظر انتخاب میں شامل کیا ہے۔

اسی طرح، اردو میں احتجاج اور اندوہ کے اظہار کی ایک انوکھی اور دردناک مثال ایک میواتی لڑکی سرون کے بارے میں لوک گیت ہے۔اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں انگریز ریزیڈنٹ ولیم فریزر (William Fraser) کی شہرت کچھ تو اس وجہ سے تھی کہ وہ اردو فارسی کا بہت ماہر اور ہندوستانی تہذیب کا بہت دلدادہ تھا۔اس نے اپنے ہندو دوستوں کے احترام میں گائے، اور مسلمانوں کے احترام میں سور کھانا چھوڑ دیا تھا۔لیکن پرسیول اسپئیر (Percival Spear) کے قول کے مطابق وہ زمینات کے محاصل وصول کرنے میں اس قدر سخت تھا کہ اس کے زمانے میں مضافات دہلی کے اکثر گاؤں ویران ہو گئے تھا۔فریزر کی دوسری شہرت اس باعث تھی کہ وہ غریب غربا کی لڑکیوں کو بجبر اٹھوا منگاتا تھا اور انھیں اپنے حرم میں داخل کر لیتا تھا۔سرون ایسی ہی ایک لڑکی تھی جس کی داستان الم ''فرنجن سرون'' نامی لوک گیت میں ملتی ہے۔اس گیت کو سب سے پہلے آغا حیدر حسن دہلوی نے ۱۹۳۴ میں شائع کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے کئی گیت انھوں نے اپنے لڑکپن میں سنے تھے۔آغا صاحب نے لکھا ہے کہ یہ گیت کم از کم سو سال پرانا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آغا حیدر حسن کا مضمون ۱۹۳۴ کا ہے اور فریزر

کا قتل اس سے ٹھیک سو سال پہلے ۱۸۳۴ میں ہوا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ یہ گیت ۱۸۳۴ کے پہلے ہی وجود میں آیا ہوگا۔ اس گیت کو تبسم کاشمیری نے اپنے ایک حالیہ مضمون مطبوعہ ''دریافت'' اسلام آباد میں آغا حیدر حسن کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ ہم اسے ان کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔

کئی دیگر لوک گیت جو اس کتاب میں شامل ہیں ان میں سے اکثر کی اطلاع ہمیں محمود فاروقی کے ذریعے پروفیسر شاہد امین سے ملی۔ شاہد امین ان دنوں جنگ آزادی کی لوک روایتوں پر کام کر رہے ہیں اور خاص کر پنڈت رام غریب چوبے نے جو لوک گیت جمع کئے تھے، شاہد امین نے انھیں اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ہے۔ ایک پرانے انگریزی رسالے The Indian Antiquary کی مختلف اشاعتوں میں ایک انگریز افسر نے اردو کے کئی لوک گیت شائع کئے تھے۔ اس رسالے کے بہت سے اوراق ہمیں شاہد امین نے محمود فاروقی کے توسط سے مہیا کئے۔ ہم ان دونوں عزیزوں کے شکر گذار ہیں۔ ہم نے متعدد گیت ان اوراق سے منتخب کئے ہیں۔ ان میں جھانسی کی رانی کے بارے میں جو گیت ہے اس سے یہ ایک دلچسپ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سبھدرا کماری چوہان کی مشہور نظم کا مصرع ترجیع ع

خوب لڑی مردانی وہ تو جھانسی والی رانی تھی

اسی لوک گیت سے لیا گیا تھا۔ اور یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ سبھدرا کماری چوہان کی نظم کو ہر دلعزیز بنانے میں اس مصرع ترجیع کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

کچھ لوک گیت ہمیں ''آزادی کے ترانے'' نامی ایک چھوٹے سے رسالے سے ملے۔ یہ رسالہ آزادی کی پچیسویں سالگرہ (۱۹۶۲) کے موقعے پر حکومت یو پی نے شائع کیا تھا۔ ہم حکومت یو پی اور اس وقت کے ڈائرکٹر محکمۂ اطلاعات کے بھی شکر گذار ہیں۔

لوک گیتوں کا ذکر میں نے کچھ تفصیل سے کیا ہے، اس کی دو وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ زیر نظر مجموعہ اردو کی قومی اور انقلابی شاعری کا غالباً پہلا مجموعہ ہے جس میں لوک گیت بھی شامل

ہیں۔ دوسری بات یہ کہ غیر اردو دانوں (اور بہت سے اردو والوں) کا تاثر یہ ہے کہ اردو میں لوک ادب نہیں ہے۔ یہ تاثر حقیقت سے بہت دور ہے اور اس انتخاب میں شامل گیت اس بات کا حتمی ثبوت ہیں کہ اردو میں لوک ادب کی وافر مثالیں موجود ہیں۔ یہاں میں یہ نکتہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے ''اردو'' سے صرف ''کھڑی بولی'' مراد لی ہے۔ لہٰذا ہمارے انتخاب میں اودھی، برج، بھوج پوری، بندیل کھنڈی وغیرہ زبانوں کی تخلیقات کے گیت شامل نہیں ہیں، خواہ وہ اردو رسم الخط میں بھی یا صرف اردو ہی رسم الخط میں دستیاب ہوں۔

اس انتخاب میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ کے بعد کا کوئی کلام شامل نہیں ہے۔ اس لزوم مالیلزم کے باعث کئی بہت اچھی نظمیں شامل ہونے سے رہ گئیں، لیکن یہ قربانی ہم نے اس لیے گوارا کر لی کہ اب جو کچھ اس انتخاب میں ہے اس کی تحریر یا تخلیق کے وقت صاحب تحریر یا صاحب تخلیق کو انگریزوں کی طرف سے عقوبت کا خطرہ تھا، اور یہ بات ان متون کی سچائی کو ثابت کرنے لیے کافی ہے۔ اگر راجا رام نرائن موزوں کی غزل کو ۱۷۵۷ کا فرض کیا جائے (اور اس مفروضے کے غلط ہونے کی کوئی وجہ بظاہر نہیں ہے) تو اس کتاب کے مشمولات کی تصنیف کا دوران دس کم دو سو برس ٹھہرتا ہے۔ ہر چند کہ ان میں بیسویں صدی کا حصہ سب سے زیادہ ہے، لیکن انیسویں صدی کی نمائندگی بھی اچھی خاصی ہے، اور اٹھارویں صدی کے متون میں کمیت نہ سہی، لیکن کیفیت کے اعتبار سے وہ کتاب کے دوسرے متون سے کم رتبہ ہرگز نہیں ہیں۔

''فغان دہلی'' نام کی مشہور کتاب (۱۸۶۱) میں زیادہ تر نظمیں دہلی کی تباہی کے بارے میں ہیں، لیکن ان میں احتجاج و انتقاد تو کیا، صحیح معنی میں اندوہ بھی نہیں ہے، کیونکہ زیادہ تر نظمیں انگریزوں کو خوش کرنے، یا انگریز کی خوشنودی کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی تھیں، اور بعض نے تو ہندوستانیوں اور اہل قلعہ ہی کو اپنی طعن و تشنیع کا ہدف بنایا ہے۔ ہم نے ایسی کوئی نظم کیا، کوئی ایسا شعر بھی شامل نہیں کیا ہے جس میں سیاہ قلب سامراج کی خوشامد، یا شمع انقلاب کے پروانوں پر نکتہ چینی کا خفیف بھی شائبہ ہو۔ زیادہ تر شہر آشوب بھی ہمارے انتخاب میں نہ آسکے کیونکہ ہر شہر

آشوب کسی نہ کسی طرح شہر آشوب کی رسومیات کو پیش نظر رکھ کر لکھا جاتا ہے، لہٰذا شہر آشوب میں علامتی سچائی تو ہوتی ہے، لیکن تاریخی یا واقعاتی سچائی بہت کم ہوتی ہے۔ شہر آشوب میں جس طرح کے اندوہ یا برہمی کے جذبات کا اظہار ملتا ہے، ان کی بھی نوعیت رسومیاتی اور غیر شخصی ہوتی ہے، اور اسی لیے زیادہ تر شہر آشوب ہمارے مقصد کے لیے کارآمد نہیں ہیں، حتیٰ کہ بہادر شاہ ظفر سے منسوب شہر آشوب بھی نہایت عمومی مضامین کا حامل ہے۔ مجھے اس میں بہت شک ہے کہ یہ شہر آشوب، اور بہادر شاہ ظفر سے منسوب دو مشہور غزلیں واقعی بہادر شاہ کی تصنیف ہیں۔ لیکن بہادر شاہ ظفر سے منسوب شہر آشوب ظفر کی زندگی ہی میں متداول ہو گیا تھا اور جس میں کچھ مصرعوں میں انگریزوں کے خلاف اشارہ ہے۔ ملا کمال لکھنوی کے شہر آشوب میں البتہ کچھ بند صاف صاف انگریزوں کے تسلط ہند کے خلاف ہیں لہٰذا ہم نے انھیں انتخاب میں شامل کر لیا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''ہندوستانی قوم'' کے تصور کی طرح ''قومی یک جہتی'' کا بھی تصور ہمارے یہاں جدید زمانے کی پیداوار ہے۔ یہ بات اس معنی میں صحیح ہے کہ ''یک جہتی'' کو قائم کرنے کی ضرورت اسی وقت ہوگی جب ایک سے زیادہ وجود ہوں جن کے درمیان یک جہتی مطلوب ہو۔ یعنی جب ''دو قومی نظریہ'' ہوگا تو ''قومی یک جہتی'' کی بھی بات اٹھے گی۔ انگریزوں کی آمد کے پہلے ہمارے یہاں ذات برادری کا بول ضرور بالا تھا، لیکن مذہبی بنیادوں پر ''قوموں'' کی تقسیم یا تفریق نہ تھی۔ ہندوستان میں بسنے والے سب لوگ ''ہندو'' یا ''ہندی'' کہے جاتے تھے (غالب تک نے خود کو ''ہندی'' کہا ہے) اور ان کی معاشرت اور بود و باش میں جو بات نمایاں تھی اسے ''یک جہتی'' نہیں بلکہ ''اتحاد'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ''بہار عجم'' میں ٹیک چند بہار نے لکھا ہے کہ ''ہندو'' کے معنی ہیں ''ہندوستان کا باسی''۔ لیکن انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ خان آرزو کا کہنا ہے کہ لفظ ''ہندو'' سے وہی ہندوستانی مراد ہیں جو مذہباً بھی ہندو ہوں۔

یہ بحثیں وسط اٹھارویں صدی کی ہیں اور ان سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزی راج کے

بڑھتے ہوئے سائے تلے ہمارے لفظوں کے معنی بھی بدلنے لگے تھے۔ لفظ Gentoo کی تاریخ بھی اس کی ایک مثال ہے۔ یہ لفظ سترہویں صدی کے انگریزوں کے یہاں جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں، اور پھر مشرق میں خلیج بنگال کے ساحلی خطوں میں بسنے والوں کے لیے مستعمل تھا۔ انگریزوں کو غالباً یہ دیکھ کر تعجب اور پریشانی ہوئی کہ سارے کے سارے ہندوستانیوں کو ''ہندی'' یا ''ہندو'' کہا جاتا ہے، درحالیکہ انگریز کے یہاں انسانوں کی پہچان مذہبی تفریق ہی پر مبنی تھی۔ شاید اس لیے انھوں نے Gentile (یہودی/عیسائی اصطلاح میں ''غیر یہودی'') کے قیاس پر لفظ Gentoo بنالیا، بمعنی ''اعلیٰ ذات کے، یا پڑھے لکھے مقامی غیر مسلم''۔ یہ لفظ انگریزوں کی تحریر و تقریر میں مدتوں مستعمل رہا اور جب ''ہندو/مسلم'' تفریق ملک میں قائم ہوگئی تو لفظ ''جنٹو'' اس طرح غائب ہوگیا کہ اب صرف چند مورخ ہی اس سے واقف ہیں۔

زیر نظر انتخاب میں انیسویں صدی کی کئی نظمیں ایسی شامل ہیں جن میں ہندو مسلم اتحاد کا مضمون ہے، یا پھر یہ مضمون ہے کہ انگریزوں کو بے دخل کرنے کے لیے ہندوستان کے سب لوگوں کو متحد ہو کر کام کرنا چاہیئے۔ بیسویں صدی میں آئیے تو ہندو اور مسلمان شعرا (اور کئی فرضی نام بھی) اتحاد اور حریت کی نغمہ سرائی میں شانہ بہ شانہ نظر آتے ہیں۔ ''تیسری دنیا'' کی اصطلاح اس وقت ایجاد نہیں ہوئی تھی، لیکن اقبال کی چشم جہاں بیں نے ان مسائل اور صورت حالات کو دیکھ لیا تھا جن سے تیسری دنیا کو دو چار ہونا تھا۔ ان کی نظم ''شعاع امید'' (۱۹۳۵) تیسری دنیا، بالخصوص ہندوستان کی بیداری اور مغرب کے مقابل تیسری دنیا کی آزاد اور مثبت شخصیت اور وجود کی تصدیق و استقلال کا ترانہ کہی جاسکتی ہے۔

پڑھنے والوں کی سہولت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے تمام مشمولات کو شعرا کے تخلص یا نام کے اعتبار سے حروف تہجی میں ترتیب دیا ہے۔ کتاب کے چار حصے ہیں:

(۱) احتجاج، انتقاد، اندوہ

(۲) جنگی معرکے

(۳) قومی یک جہتی اور ملک کی آزادی

(۴) جدو جہد آزادی اور انقلاب

ہر حصے میں مشمولات کو شعرا کے نام یا تخلص کے اعتبار سے درج کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مکمل فہرست شعرا دے دی گئی ہے اور ہر نام کے سامنے وہ صفحات درج کر دیئے گئے ہیں جہاں ان کی تخلیقات پیش کی گئی ہیں۔ جن تخلیقات کے مصنف گمنام ہیں انھیں ''لا اعلم'' کہہ کر لام کی تقطیع میں جگہ دی گئی ہے۔ نظموں کا اول انتخاب جناب خلیق انجم نے نہایت جانفشانی سے کیا تھا۔ میں نے ان کی محنتوں پر کچھ اضافہ کرتے ہوئے مزید تخلیقات شامل کیں اور ان کی فرمائش کے بموجب دیباچہ بھی لکھا۔ یہ کتاب موجودہ شکل میں ظہور پذیر نہ ہوتی اگر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے جواں سال ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر علی جاوید، اور کونسل کے دیگر کارکنان، بالخصوص ڈاکٹر ابوبکر عباد، ڈاکٹر کلیم اللہ، محترمہ مسرت جہاں اور جناب انتخاب احمد کا بھرپور تعاون مجھے حاصل نہ ہوتا۔ مقامی سطح پر عزیزی سید ارشاد حیدر نے میری امداد کی اور کام کو پورا کرنے کی مہم میں دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا۔ میں ان سب دوستوں کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہوں۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ کتاب ۲۰۰۷ میں منظر عام پر آرہی ہے جب سارا ملک ہماری پہلی جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ یادگار منا رہا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی

حصۂ اول

احتجاج، انتقاد، اندوہ

آل احمد سرور

ٹیپو کی آواز

گو رات کی جبیں سے سیاہی نہ ڈھل سکی
لیکن مرا چراغ برابر جلا کیا

جس سے دلوں میں اب بھی حرارت کی ہے نمود
برسوں مری لحد سے وہ شعلہ اٹھا کیا

پھیکا ہے جس کے سامنے عکس جمال یار
عزم جواں کو میں نے وہ غازہ عطا کیا

میرے لہو کی بوند میں رقصاں تھیں بجلیاں
خاک دکن کو میں نے شرر آشنا کیا

جس کو بھلا سکیں نہ کبھی شیخ و برہمن
ہندوستان کو وہ فسانہ عطا کیا

ساحل کی آنکھ میں مگر آئی نہ کچھ نمی
دریا میں لاکھ تلاطم ہوا کیا

خواب گراں سے غنچوں کی آنکھیں نہ کھل سکیں
اک شاخ گل سے نغمہ برابر اٹھا کیا

یہ بزم ایسی سوئی کہ جاگی نہ آج تک
فطرت کا کارواں ہے کہ آگے بڑھا کیا

مارا ہوا ہوں گو خلش انتظار کا
مشتاق آج بھی ہوں پیام بہار کا

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ، 1959

محمد ابراهیم ابرار دهلوی

کانپور کا خونی منظر

(20 مارچ کا جنگی واقعہ)

وہ شہید تیغ جفا ہوں میں، جسے آسماں نے مٹا دیا
مرے لب سے نکلی نہ آہ تک مجھے گولیوں سے اڑا دیا

وہ بہائیں خون کی ندیاں کہ پکارا عرش بھی الاماں
وہ پلٹ پلٹ کے ستم کیے کہ ہلاکو خاں کو بھلا دیا

ہمیں جاں نثار ہیں ہند کے ہمیں دلفگار ہیں ہند کے
ہمیں پاس مہر و وفا کا ہے انھیں جان دے کے دکھا دیا

کوئی بیٹھ کر نہ سنبھل سکا کوئی دوڑ کر نہ اچھل سکا
وہ مسلموں کے جوان لال تہ خاک جن کو ملا دیا

کوئی کشتہ کشتہ تھا بے کفن کوئی لوٹ پوٹ تھا خستہ تن
جو کسی میں باقی رہی رمق تو پلٹ کے چرکہ لگا دیا

بھلا کون کرتا تھا حق رسی کہ سرہانے روتی تھی بے کسی
جسے چاہا اس کو دبا دیا جسے چاہا اس کو بہا دیا

وہ یتیم کرتے ہیں زاریاں، ہیں نصیب جن کو یہ خواریاں
وہ گھروں میں روتی ہیں عورتیں جنھیں ہائے بیوہ بنا دیا

۞

○ ماخوذ از ''خونی کانپور'' عرف ''بہادر عورت'' مطبوعہ رحیمی پریس بمبئی، ضبط شدہ ادبیات۔ نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 2304، آزادی کے ترانے، نیشنل میوزیم

اجتبیٰ رضوی

ٹیپو سلطان

نظر سے آج جو گذری ہیں چند تصویریں
وہ دل پہ نقش ہیں جیسے لہو کی تحریریں
بسی ہے جنگ سرنگا پٹام آنکھوں میں
کسی شہید پہ سایہ کئے ہیں شمشیریں
غلام قوم تجھے کچھ حیا بھی آتی ہے
ہیں تیرے چاند پہ خاک افگنی کی تدبیریں
ترا چراغ سر شام بجھ گیا لیکن
سحر کے بھیس میں پھیلیں گی اس کی تنویریں
مرے شہید ترے نام پاک سے قومیں
کریں گی آیۂ حب وطن کی تفسیریں

پیام سعی سرافرازی وطن ہے تو
شہید و غازی و جرار وصف شکن ہے تو

سیاست وطنی کی فضا تھی زہرآلود
ہوائے غرب تھی ناساز گار و نامسعود

صباح دولت تیموریہ کی آئی تھی شام
پڑا تھا نیر اقبال ہند سربسجود
گلوں کو لوریاں دیتا تھا اعتبار بہار
چمن میں سبزۂ بیگانہ پارہا تھا نمود

ہے تیرے بعد تری یاد افتخار وطن
ترا مزار ہے شمع سر مزار وطن

پکارتی ہیں سرنگا پٹم کی دیواریں
کہ ہم کو یاد ہیں وہ گولیوں کی بوچھاریں
دہن کشادہ ہیں چوٹوں کے گھاؤ کیا معلوم
یہ کیا حمیت حب وطن کو للکاریں
شہید زندۂ جاوید ہیں وہی ساونت
جو نام پاک وطن پر لڑیں مریں ماریں

اس ایک جان گرامی پہ لاکھ جاں صدقے
اس ایک موت پہ سو عمر جاوداں صدقے

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

احمق پھپھوندوی

انگریزی ذہن کی تیزی

کس طرح بپا ہوں ہنگامے، آپس میں ہو کیوں کر خونریزی
ہے ختم انھیں اسکیموں میں انگریزی ذہن کی سب تیزی

یہ قتل و خوں یہ جنگ و جدل، یہ جور و ستم یہ بغض و حسد
باقی ہی رہیں گے ملک میں سب، باقی ہے اگر راج انگریزی

گلزار وطن اک بنجر ہے، یا خاک ہے اب یا صرصر ہے
کیا پھول یہاں اور کیسے پھل، کیا شادابی کیا زرخیزی

ہر سو ہے بپا ہنگامۂ خوں، ہر سمت ہے ڈھیر اک لاشوں کا
اڈوائر و ڈائر کے دم سے، قائم ہے نشانِ چنگیزی

شدھی ہے کہیں، تبلیغ کہیں، ناقوس کہیں، تکبیر کہیں
یہ پیچ نہ ہوں تو مشکل ہے، دم بھر کے لئے راج انگریزی

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

واجد علی شاہ اختر

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں [1]

شب اندوہ میں رو رو کے بسر کرتے ہیں
دن کو کس رنج و تردد میں بسر کرتے ہیں
نالۂ و آہ غرض آٹھ پہر کرتے ہیں
در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

صاف صاف اب تو عدو میرا ضرر کرتے ہیں
دوست حالت پہ میری چاک جگر کرتے ہیں
اب تو پاؤں سے مہم راہ سفر کرتے ہیں

[1] یہ واجد علی شاہ اختر کی ایک غیر مطبوعہ نظم ہے جو واجد علی شاہ کی ایک بیگم نواب زہرہ بیگم مرحومہ کے ملفوظات اور مخطوطات شاہی سے نواب ذکی علی خاں ہاتف مرحوم کو دستیاب ہوئی جو اب ممتاز حسین صاحب جونپور کے پاس محفوظ ہے۔ ممتاز صاحب کی عنایت سے یہ غیر مطبوعہ نظم ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ واجد علی شاہ نے لکھنؤ چھوڑتے وقت یہ پر درد شعر

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں   رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

اس وطن کو مخاطب کر کے کہا تھا جو بچہ بچہ کی زبان پر جاری ہوا اور اب بھی لوگ بھولے نہیں ہیں۔ اسی شعر پر انھوں نے مصرعے لگائے اور یہ مخمس یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

دوستو شاد رہو تم کو خدا کو سونپا
قیصر باغ جو ہے اس کو صبا کو سونپا
ہم نے اپنے دل نازک کو جفا کو سونپا
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

مژۂ یار سے اب دل کو عداوت ہے گی
خار صحرا سے ہمیں اب تو محبت ہے گی
لوح دل پر یہی مرقوم حکایت ہے گی
در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

شکوہ کس سے کروں ہاں دوست نے مارا مجھ کو
جز خدا کے نہیں اب کوئی سہارا مجھ کو
نظر آتا نہیں بن جائے گذارا مجھ کو
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

کس کو الزام دوں قسمت کا ہے سارا یہ پھیر
تھا زبردست کئیں جن جن پہ ہوا ان کا زیر
اب مرے جانے میں اے اہل جہاں کچھ نہیں دیر
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

گردش چرخ نے یہ بات بھی سنوائی ہے
اپنے مالک کو یہ نوکر کہے سودائی ہے
اب تو در پیش ہمیں بادیہ پیمائی ہے
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

خاک سے پاک کیا جس کو وہی ہے دشمن
بعد مردن نہ ملے اس کو خدا چاہے کفن
اسی مردود کے باعث سے چھٹا اپنا وطن
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

کس سے فریاد کروں ہے یہی رقت کا مقام
کیسا کیسا مرا اسباب ہوا ہے نیلام

میرے جانے سے ہر اک گھر میں پڑا ہے کہرام
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

رنج جو ہے اسے اب اے دل پردرد اٹھا
تعزیہ خانوں تلک کا مرا اسباب لٹا
فصل گرمی میں تاسف! مرا گھر تک چھوٹا
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

سارے اب شہر سے ہوتا ہے یہ اختر رخصت
آگے بس اب نہیں کہنے کی ہے مجھ کو فرصت
ہو نہ برباد مرے ملک کی یارب خلقت
درودیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں

رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

واجد علی شاہ اختر

شاہ اودھ قید فرنگ (فورٹ ولیم، کلکتہ) میں

کوئی رنج زنداں میں ایسا نہیں — جو اس بے سروپا کو پہنچا نہیں
مگر درد فرقت ہے سب سے سوا — ہر اک غم دیا ہے اسی نے بھلا
یہ گرداب فرقت ہے زنداں نہیں — یہ وہ بحر ہے جس کا پایاں نہیں
یہ وہ غم ہے جس سے نہیں بچتی جاں — اسی غم سے بوڑھے ہوئے ہیں جواں
اسی غم نے پانی سا دل کر دیا — اسی غم نے کوہ الم دھر دیا
مرا غنچۂ دل ہوا غم سے بند — چمن بن گیا داغوں سے بند بند
دل زار ہرگز سنبھلتا نہیں — وہ کوہ گراں ہے کہ ٹلتا نہیں
ہر اک سمت پہرا ہر اک سمت یاس — رفیق و ملازم میں خوف و ہراس
کبھی سر پہ رکھتا تھا میں کج کلاہ — اودھ کا کبھی میں بھی تھا بادشاہ
ملازم مرے تھے کبھی سو ہزار — مرے حکم میں تھے پیادہ سوار
ہوئے قید اس طرح ہم بے گناہ — اسیروں میں ہوں نام ہے بادشاہ
زن و مرد اٹھارہ اور اک یہ جاں — شب و روز زنداں میں ہیں دل طپاں
ہے اک اور داروغہ زندان کا — کہ کالن ہے نام اس نگہبان کا
وہ تکلیف ہے جس سے دل تنگ ہے — شب و روز زنداں کا بدرنگ ہے

زبس ہے یہ[1] کوٹھی نہایت کلاں — مگر میرے کس کام کی اے جواں
ہر اک اس کا در بند ہے آہ آہ — وہ گرمی وہ گرمی کہ دل ہے تباہ
کھلے ہیں جو در تو ادھر دھوپ ہے — یہ ہے رنگ کوٹھی کا یہ روپ ہے
اس اوسط کے درجہ میں دل شق ہیں ہم — نہ اوپر نہ نیچے معلق ہیں ہم

۞

[1] فورٹ ولیم کی وہ کوٹھی جس میں واجد علی شاہ اور ان کے ہمراہی قلی دروازہ کے بالائی حصہ میں آٹھ روز قیام کے بعد منتقل کئے گئے۔

○ ماخوذ از حزن اختر (لکھنؤ 1922)، "اردو میں قومی شاعری کے سو سال"، مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ 1959

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

جلیانوالہ باغ

ہر زائر چمن سے یہ کہتی ہے خاک باغ
غافل نہ رہ جہان میں گردوں کی چال سے
سینچا گیا ہے خون شہیداں سے اس کا تخم
تو آنسوؤں کا بخل نہ کر اس نہال سے

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، 1959

اکبر الہ آبادی

سامراج کی پالیسی

مغرب میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اس سے تجارت بڑھی ہوئی
ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیئرس کا ہے سوپ ہر جگہ

○ ماخوذ از ''کلیات اکبر'' جلد دوم

اکبر الہ آبادی

برٹش راج

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشیں برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے
جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو
کہ تیل پیچ میں ہے ڈھیلی اس کی چول بھی ہے
نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمق سے
تمھاری عرض میں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے
جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبل کی
جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے
طرح طرح کے بنالو لباس رنگا رنگ
علاوہ روئی کے ریشم بھی اور دول بھی ہے
چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ محو دید ہے خاطر اگر ملول بھی ہے
اندھیری رات میں جنگل میں ہے عیاں انجن
کہ جس کو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے

شگفتہ پارک ہیں ہر سمت رہروؤں کے لئے
نظر نواز ہے پتی حسین پھول بھی ہے
جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو ہرج کیا ہے جو ساتھ اس کے ڈیم فول بھی ہے

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ 1959

سکھ دیو پرشاد بسمل الٰہ آبادی

گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں

شوق دل کہتا ہے گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں
منزل الفت کوئی دو چار سو منزل نہیں

پھیر لوں گا میں چھری گردن پر اپنے ہاتھ سے
مرنے والے کے لئے مرنا کوئی مشکل نہیں

ڈوبنے والے سے کہتی ہے یہ بحر موج غم
جان دے کر دیکھ تجھ سے دور اب ساحل نہیں

روکتی ہے اس ارادے سے مجھے میری امید
میں سمجھتا تھا کہ مرجانا کوئی مشکل نہیں

دل سے نکلے لب تک آئے لب سے پہنچے عرش تک
دل ہی دل میں جو رہے گھٹ کر وہ آہ دل نہیں

جادۂ حب وطن میں پیچ و خم کا خوف کیا
چلنے والا چاہیے یہ راہ کچھ مشکل نہیں

آس تم نے توڑ دی اپنے مریض عشق کی
اس کے منہ پر کیوں کہا جینے کے یہ قابل نہیں

ہر نفس کہتا ہے تھک کر یہ مجھ سے ہر نفس
رہرو گم کردہ منزل کی کہیں منزل نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ وہ قاتل بڑا بے درد ہے
اس کو بھی بسمل نہ میں کر دوں تو میں بسمل نہیں

○ ''ضبط شدہ نظمیں''۔ نیشنل میوزیم

شیخ قلندر بخش جرأت

رباعی

سمجھے نہ امیر ان کو کوئی نہ وزیر
انگریز کے ہاتھ اک قفس میں ہیں اسیر
جو کچھ وہ پڑھائیں سو یہ منہ سے بولیں
بنگالے کی مینا ہیں یہ پورب کے امیر

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959، تاریخ ادب اردو جلد سوم از جمیل جالبی

جوش ملیح آبادی

ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے خطاب

کس زباں سے کہہ رہے ہو آج تم سوداگرو؟
''دہر میں انسانیت کے نام کو اونچا کرو''
''جس کو سب کہتے ہیں ہٹلر، بھیڑیا ہے بھیڑیا
بھیڑیے کو مار دو گولی پئے امن و بقا''
''باغِ انسانی میں چلنے ہی پہ ہے بادِ خزاں
آدمیت لے رہی ہے ہچکیوں پر ہچکیاں''
''ہاتھ ہے ہٹلر کا رخشِ خود سری کی باگ پر
تیغ کا پانی چھڑک دو جرمنی کی آگ پر''
سخت حیراں ہوں کہ محفل میں تمھاری اور یہ ذکر
نوعِ انسانی کے مستقبل کی اب کرتے ہو فکر
جب یہاں آئے تھے تم سوداگری کے واسطے
نوعِ انسانی کے مستقبل سے کیا واقف نہ تھے؟
ہندیوں کے جسم میں کیا روحِ آزادی نہ تھی
سچ بتاؤ کیا وہ انسانوں کی آبادی نہ تھی

اپنے ظلم بے نہایت کا فسانہ یاد ہے
کمپنی کا پھر وہ دور مجرمانہ یاد ہے
لوٹتے پھرتے تھے جب تم کارواں در کارواں
سر برہنہ پھر رہی تھی دولت ہندوستاں
دست کاروں کے انگوٹھے کاٹتے پھرتے تھے تم
سرد لاشوں سے گڑھوں کو پاٹتے پھرتے تھے تم
صنعت ہندوستاں پر موت تھی چھائی ہوئی
موت بھی کیسی تمھارے ہات کی لائی ہوئی
اللہ اللہ کس قدر انصاف کے طالب ہو آج
میر جعفر کی قسم کیا دشمن حق تھا سراج؟
کیا اودھ کی بیگموں کا بھی ستانا یاد ہے؟
یاد ہے جھانسی کی رانی کا زمانہ یاد ہے؟
ہجرت سلطان دہلی کا سماں بھی یاد ہے؟
شیر دل ٹیپو کی خونیں داستاں بھی یاد ہے؟
تیسرے فاقے میں اک گرتے ہوئے کو تھامنے
کس کے تم لائے تھے سر شاہ ظفر کے سامنے
یاد تو ہوگی وہ مٹیا برج کی بھی داستاں
اب بھی جس کی خاک سے اٹھتا ہے رہ رہ کر دھواں

تم نے قیصر باغ کو دیکھا تو ہوگا بارہا؟
آج بھی آتی ہے جس سے ہائے اختر کی صدا
سچ کہو کیا حافظے میں ہے وہ ظلم بے پناہ
آج تک رنگون میں اک قبر ہے جس کی گواہ
ذہن میں ہوگا یہ تازہ ہندیوں کا داغ بھی؟
یاد تو ہوگا تمھیں جلیانوالہ باغ بھی
پوچھ لو اس سے تمھارا نام کیوں تابندہ ہے
''ڈائر'' گرگ دہن آلود اب بھی زندہ ہے
وہ بھگت سنگھ اب بھی جس کے غم میں دل ناشاد ہے
اس کی گردن میں جو ڈالا تھا وہ پھندا یاد ہے
اہل آزادی رہا کرتے تھے کس ہنجار سے
پوچھ لو یہ قید خانوں کے در و دیوار سے
اب بھی ہے محفوظ جس پر طنطنہ سرکار کا
آج بھی گونجی ہوئی ہے جن میں کوڑوں کی صدا
آج کشتی امن کے امواج پر کھیتے ہو کیوں
سخت حیراں ہوں کہ اب تم درس حق دیتے ہو کیوں
اہل قوت دام حق میں تو کبھی آتے نہیں
''بینکی'' اخلاق کو خطرے میں بھی لاتے نہیں

لیکن آج اخلاق کی تلقین فرماتے ہو تم
ہو نہ ہو اپنے میں اب قوت نہیں پاتے ہو تم
اہل حق روشن نظر ہیں اہل باطن کور ہیں
یہ تو ہیں اقوال ان قوموں کے جو کمزور ہیں
آج شاید منزل قوت میں تم رہتے نہیں
جس کی لاٹھی اس کی بھینس اب کس لئے کہتے نہیں
کیا کہا "انصاف ہے انساں کا فرض اولیں"
کیا فساد و ظلم کا اب تم میں کس باقی نہیں
دیر سے بیٹھے ہو نخل راستی کی چھاؤں میں
کیاخدا نا کردہ کچھ موچ آگئی ہے پاؤں میں
گونج ٹاپوں کی نہ آبادی نہ ویرانے میں ہے
خیر تو ہے اسپ تازی کیا شفا خانے میں ہے؟
آج کل تو ہر نظر میں رحم کا انداز ہے
کچھ طبیعت کیا نصیبِ دشمناں ناساز ہے؟
سانس کیا اکھڑی کہ حق کے نام پر مرنے لگے
نوع انساں کی ہوا خواہی کا دم بھرنے لگے
ظلم بھولے راگنی انصاف کی گانے لگے
لگ گئی ہے آگ کیا گھر میں کہ چلانے لگے

مجرموں کے واسطے زیبا نہیں یہ شور و شین
کل یزید و شمر تھے اور آج بنتے ہو حسین
خیر اے سوداگر و اب ہے تو بس اس بات میں
وقت کے فرمان کے آگے جھکا دو گردنیں
اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی
جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمھارے خون کی

وقت کا فرمان اپنا رخ بدل سکتا نہیں
موت ٹل سکتی ہے اب فرمان ٹل سکتا نہیں

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

برج نرائن چکبست

کرزن سے[1] جھپٹ

وہ شب تار میں تاروں کا فلک پر جمگھٹ
چھپ گیا آنکھ سے بدلی جو زمیں نے کروٹ
دیکھنا شرق میں وہ صبح کا تارا چمکا
وہ عروس سحر نور نے الٹا گھونگھٹ
بڑھ کے رضواں نے وہ جنت کے دریچے کھولے
آئی وہ گلشن فردوس سے پھولوں کی لپٹ
چونک اٹھا پیر فلک بانگ لگائی ایسی
مرغ نے گربۂ مسکیں کی جو پائی آہٹ
گدگدایا جو نسیم سحری نے آ کر
ناز سے سبزۂ خوابیدہ نے بدلی کروٹ
نظر آتا ہے گلستاں میں پرستاں کا سماں
گل کھلے ہیں کہ ہے پریوں کا چمن میں جمگھٹ

[1] کلکتہ یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقع پر لارڈ کرزن نے اپنی تقریر میں ہندوستانیوں کی تہذیب و اخلاق پر بہت ہی ناروا حملے کیے تھے۔ اس واقعے سے متاثر ہو کر یہ نظم کہی گئی اور اخبار اودھ پنچ لکھنؤ میں شائع ہوئی۔

یہ بہار چمنستاں یہ سحر کا عالم
ہاں ذرا بادۂ گلرنگ تولانا جھٹ پٹ
ہاں وہ مئے ہو کہ جو مل جائے کہیں تھوڑی سی
شیر مادر کی طرح شیخ بھی پی لے غٹ غٹ
دیکھنا لے کے صراحی مرا ساقی آیا
جام میں بادۂ گلرنگ دیا اس نے الٹ
اب میں پیتا ہوں لبوں تک مرے ساغر پہنچا
ختم مے ہوگئی لو حلق سے اتری تلچھٹ
آگیا جوش طبیعت میں بڑھی گردش خوں
ڈورے آنکھوں کے ہوئے لال پھری گرماہٹ
نشہ میں چور ہوں اور سوجھتی ہے دور کی اب
ڈر ہے کرزن سے نہ ہوجائے کہیں مجھ سے جھپٹ
لیجیے سامنے میرے ہے شبیہہ کرزن
رنگ اس طرح بدلتی ہے کہ جیسے گرگٹ
سرخ غصے سے کبھی زرد کبھی صدمے سے
خوف کے مارے کبھی رنگ میں ہے نیلاہٹ
آئے ہیں آپ تو کچھ حضرت کرزن سنیے
آپ اگر منہ کے کڑے ہیں تو ہوں میں بھی منہ پھٹ

آ گیا طیش مجھے دل کا نکالوں گا بخار
صاف کہتا ہوں نہیں بات میں اپنی بنوٹ
ما نئے گا نہ برا آدمی ہیں آپ شریف
عالم نشہ میں بک جاؤں اگر کچھ سٹ پٹ
ہاں یہ کیوں آپ کے گم ہو گئے ہیں ہوش و حواس
کنووکیشن میں یہ دکھلائی ہے کیا جھلاہٹ
گل فشانی کے عوض دور کیا دل کا بخار
خوب پھینکا سر احباب پہ کوڑا کرکٹ
دیں صلاحیں ہمیں کس رنگ کی ماشاء اللہ
خوب ہم جانتے ہیں آپ ہیں جیسے نٹ کھٹ
گالیاں کس لئے در پردہ سنائیں ہم کو
ناچنے نکلے تو پھر منھ پہ یہ کیسا گھونگھٹ
یاد رہ جائے گی لیکن ہے وہ ٹھوکر کھائی
توسن طبع کو اب پھر نہ اڑانا سرپٹ
اہل بنگال نے کیا خوب کیا ہے حملہ
کہ تری فوج مضامین نے کھایا گھونگھٹ
منھ دکھانا تجھے واجب نہیں کلکتہ میں
اب مناسب ترے رہنے کے لئے ہے چنہٹ[1]

[1] لکھنؤ کے قریب ایک قصبہ ہے جہاں 1857 کی ایک لڑائی میں انگریزوں کو شکست ہوئی تھی۔

خوب بوچھار ہوئی چار طرف سے تجھ پر
پانیر تک کو نہ خوش آئی تری زیٹ زپٹ
کانگرس والے تو کیا خوش نہیں تجھ سے دل میں
دشمن ملک، علی گڈھ کے پرانے کھوسٹ
تاج وقعت کا اٹھا سر سے ترے چلتے وقت
بے چراغ آئے نظر صبح کو جیسے دیوٹ
جس سے ناشاد رعایا ہے وہ ہے دور ترا
کر دیا ملک کو اس پانچ برس میں چوپٹ
بس ترا چل نہ سکا قحط و وبا سے کچھ بھی
شہر ویران ہیں آباد ہوئے ہیں مرگھٹ
اب مناسب ہے یہی کیجیے پنجرا خالی
ہم بھی خوش آپ بھی خوش دور کہیں ہو جھنجھٹ
تو ہو جانے پہ جو راضی تو قسم سر کی ترے
کر کے چندہ تجھے ہم لے دیں ولایت کا ٹکٹ
اور جو تجھ کو نہیں منظور یہ احساں لینا
بھیج دیں ہم تجھے بیرنگ بنا کر پیکٹ
یہی اقرار، یہی قول، یہی وعدہ تھا
او! سخن ساز، دغاباز، فسوں گر نٹ کھٹ

پھونک ڈالے تری اسپیچوں کے بنڈل ہم نے
اب کی ہولی میں جلائے نہیں چیلے بنکٹ
چیمبر لین سے استاد کا شاگرد ہے تو
یاد ہیں مل کے مقولے نہ اصول بیکٹ
کونسل کے جو ترے ممبر سرکاری ہیں
وہ بھی کمبخت ہیں چور کے ساتھی گٹھ کٹ
یا الٰہی یہ چلی باد مخالف کیسی
آ گیا اڑ کے جو لندن سے یہ کوڑا کرکٹ
ہیں مگر ملک میں دو چار تہمتن یاں بھی
آستیں تیرے مقابل میں جو لیتے ہیں الٹ
یاد رکھ حشر تلک بھی نہ تجھے بھولے گی
گوکھلے کی وہ چنگھاڑ اور مہتا کی ڈپٹ
چل یہاں سے تو ولایت میں خبر لیں گے تری
چین سے رات کو سوئے گا نہ تو اک کروٹ
داد خواہوں کا تو بس ہے وہی دربار عظیم
پارلیمنٹ میں لکھوائیں گے ہم تیری رپٹ
بچ گیا واں بھی تو پھر حشر میں ہوگا انصاف
کام آئے گی خدا سے نہ تری زیٹ زپٹ

تالیاں پیٹیں گے رسوائی پہ تیری مظلوم
دیدنی ہو گی قیامت میں تری گھبراہٹ
اب بھی آ ہوش میں انداز حکومت کو بدل
مرد ہوکے تجھے واجب نہیں یہ تریاہٹ
سوچ انجام کو اک روز ہے سب کو مرنا
ہے نمک خوار ہمارا تو نہ کر ہم سے کپٹ
بیٹھ کرسیٔ وزارت پہ سنبھل کر پیارے
آہ مظلوم نے شاہوں کے دیے تخت الٹ
اب مرا نشہ اترتا ہے میں ہوتا ہوں خموش
بس ترے واسطے کافی ہے یہ سرٹیفکٹ
آ گیا ہوش مجھے کھل گئیں آنکھیں لیکن
اب وہ کرزن نظر آتے ہیں نہ وہ ان کا چرٹ

☆

میرے مولا مری بگڑی کے بنانے والے
تو ہی تقدیر اب اس خطۂ بیکس کی پلٹ

☆

بس زباں اب نہ ہو تو معرکہ آرائے سخن
رشک سے مرقد سودا نہ کہیں جائے پلٹ

اے عروسِ سخن اللہ رے جو بن تیرا
لاٹ صاحب کو بھی ناتھے ہے تری زلف کی لٹ

حضرت پنچ سے بگڑیں گے تو بن جائیں گے
لاٹ صاحب کو مناسب نہیں یاں گھبراہٹ

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

برج نرائن چکبست

فریادِ قوم

ہے آج اور ہی کچھ صورت بیاں میری
تڑپ رہی ہے دہن میں مرے زباں میری
چھدیں گے قلب و جگر تیر ہے فغاں میری
لہو کے رنگ میں ڈوبی ہے داستاں میری

مبالغہ نہیں تمہید شاعرانہ نہیں
غریب قوم کا ہے مرثیہ فسانہ نہیں

وطن سے دور تباہی میں ہے وطن کا جہاز
ہوا ہے ظلم کے پردے میں حشر کا آغاز
سنیں تو ملک کے ہمدرد قوم کے دمساز
ہوا کے ساتھ یہ آتی ہے دکھ بھری آواز

وطن سے دور ہیں ہم پر نگاہ کر لینا
"ادھر بھی آگ لگی ہے ذرا خبر لینا"

جو مٹ رہے ہیں وطن پر یہ ہے صدا ان کی
لہو پکار رہا ہے یہ ہے وفا ان کی

بندھی ہے عالم تہذیب میں ہوا ان کی
غضب کی جا ہے جو گردن جھکے ذرا ان کی

تمھارے دل میں نہ الفت کی ہوک اٹھے افسوس
وطن کا قافلہ پردیس میں لٹے افسوس

ٹرینسوال کے حاکم وفا شعار نہیں
کچھ ان کے قول کا دنیا میں اعتبار نہیں
ہماری قوم پہ احساں کا ان کے بار نہیں
یہ ظلم کیوں ہے ہم ان کے گناہگار نہیں

اگر وہ دولت برطانیہ کے پیارے ہیں
تو اہل ہند اسی آسماں کے تارے ہیں

مگر جفا سے نہیں ظالموں کو مطلق عار
اجاڑتے ہیں وہ بستی جو تھی کبھی گلزار
جہاں خوشی کے ترانوں کا گرم تھا بازار
سنائی دیتی ہے واں بیڑیوں کی اب جھنکار

کیا ہے بند مسافر سمجھ کے راہوں کو
پنہائی جاتی ہے زنجیر بے گناہوں کو

نصیب چین نہیں بھوک پیاس کے مارے
ہیں کسی عذاب میں ہندوستان کے پیارے

تمھیں تو عیش کے سامان جمع ہیں سارے
وہاں بدن سے رواں ہیں لہو کے فوارے

جو چپ رہیں تو ہوا قوم کی بگڑتی ہے
جو سر اٹھائیں تو کوڑوں کی مار پڑتی ہے

اگر دلوں میں نہیں اب بھی جوش غیرت کا
تو پڑھ دو فاتحہ قومی وقار و عزت کا
وفا کو پھونک دو ماتم کرو محبت کا
جنازہ لے کے چلو قوم و دین و ملت کا

نشاں مٹا دو امنگوں کا اور ارادوں کا
لہو میں غرق سفینہ کرو مرادوں کا

کہاں ہیں ملک کے سرتاج قوم کے سردار
پکارتے ہیں مدد کے لئے در و دیوار
وطن کی خاک سے پیدا ہیں جوش کے آثار
زمین ہلتی ہے اڑتا ہے خون بن کے غبار

جگہ سے اپنی ہے چتور کی زمیں سر کی
لرز رہی ہے کئی دن سے قبر اکبر کی

اگر نہ قوم کے اس وقت بھی تم آئے کام
نصیب ہوگا نہ مرنے پہ بھی تمھیں آرام

یہی کہے گا زمانہ کہ تھا برائے نام
وہ دھرم ہندوؤں کا وہ حمیت اسلام

ذرا اثر نہ ہوا قوم کے حبیبوں پر
وطن سے دور چھری چل گئی غریبوں پر

جو دب کے بیٹھ رہے سر اٹھاؤ گے پھر کیا
عدوے قوم کو نیچا دکھاؤ گے پھر کیا
جفا و جور کی ذلت مٹاؤ گے پھر کیا
تم اپنے بچوں کو قصے سناؤ گے پھر کیا

رہے گا قول یہی ان سے ان کی ماؤں کا
لہو رگوں میں تمھاری ہے بے حیاؤں کا

مٹا جو نام تو دولت کی جستجو کیا ہے
نثار ہو نہ وطن پہ تو آبرو کیا ہے
لگا دے آگ نہ دل میں تو آرزو کیا ہے
نہ جوش کھائے جو غیرت سے وہ لہو کیا ہے

فدا وطن پہ جو ہو آدمی دلیر ہے وہ
جو یہ نہیں تو فقط ہڈیوں کا ڈھیر ہے وہ

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، 1959

خواجہ الطاف حسین حالی

کالے گورے کی صحت کا میڈیکل امتحان

دو ملازم ایک کالا اور گورا دوسرا
دوسرا پیدل، مگر پہلا سوار راہوار

تھے سول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونوں رواں
کیوں کہ بیماری کی رخصت کے تھے دونوں خواستگار

راہ میں دونوں کے باہم ہوگئی کچھ ہشت مشت
کوکھ میں کالے کی اک مکا دیا گورے نے مار

صدمہ پہنچا جس سے تلی کو بہت مسکین کے
آگے گھوڑے سے لیا سائیس نے اس کو اتار

ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی
چوٹ کے صدمے سے غش کالے کو آیا چند بار

آخرش کوٹھی پہ پہنچے جاکے دونوں پیش و پس
ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار

ڈاکٹر نے آکے دونوں کی سنی جب سرگذشت
تہ کو جا پہنچا سخن کی سن کے قصہ ایک بار

دی سند گورے کو لکھ، تھی جس میں تصدیق مرض

اور یہ لکھا تھا کہ ''سائل ہے بہت زار و نزار

یعنی اک کالا نہ جس گورے کے مکے سے مرے

کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار''

اور کہا کالے سے ''تم کو مل نہیں سکتی سند

کیوں کہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار

ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مر نہ جائے

آئے بابا اس کی بیماری کا کیوں کر اعتبار''

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ 1959

خواجہ الطاف حسین حالی

قطعہ

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز

ڈھونڈھتا ہے دل شوریدہ بہانے مطرب
درد انگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی، مصور ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

موجزن دل میں ہیں یاں خون کے دریا اے چشم
دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز

لے کے داغ آئے گا سینے پہ بہت اے سیاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں اب تو
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
وہ تو بھولے تھے ہمیں، ہم بھی انھیں بھول گئے
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز
جس کو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں
نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
ہم کو گر تونے رلایا تو رلایا اے چرخ
ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئیں گے کیا ان پہ جہاں روتا ہے
ان کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی
بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دور زماں
نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
یاں سے رخصت ہو سویرے کہیں اے عیش و نشاط
نہیں اس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلی
ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہوگی ہرگز

یاد کر کر کے اسے جی نہ کڑھانا ہرگز

غالب و شیفتہ و نیر و آزردہ و ذوق
اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانہ ہرگز

مومن و علوی و صہبائی و ممنون کے بعد
شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز

کردیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز

داغ و مجروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہے حالی
یاں مناسب نہیں رو رو کے رلانا ہرگز

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

حسرت موہانی

غزل

رسم وفا کامیاب دیکھیے کب تک رہے

حب وطن محو خواب دیکھیے کب تک رہے

دل پہ رہا مدتوں غلبۂ یاس و ہراس

قبضۂ شرم و حجاب دیکھیے کب تک رہے

تا بہ کجا ہوں دراز سلسلہ ہائے فریب

ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

پردۂ اصلاح میں کوشش تخریب کا

خلق خدا پر عذاب دیکھیے کب تک رہے

نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم

جبر یہ زیر نقاب دیکھیے کب تک رہے

دولت ہندوستاں قبضۂ اغیار میں

بے عدد و بے حساب دیکھیے کب تک رہے

ہے تو کچھ اکھڑا ہوا بزم حریفاں کا رنگ

اب یہ شراب و کباب دیکھیے کب تک رہے

حسرت آزاد پر جور غلامان وقت
از رہ بغض و عتاب دیکھیے کب تک رہے

○ ماخوذ از "اردو میں قومی شاعری کے سو سال" مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

نواب مرزا خان داغ دھلوی

فغان دہلی

یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمان دہلی
تھا مرا نام و نشاں نام و نشان دہلی

اس سے بڑھ کر کوئی محشر میں نہ ہووے گا حساب
بس یہی ہوگا کہ ہم اور بیان دہلی

دے دیے فوج کو حکام نے انعام میں سب
گنج قاروں سے فزوں گنج نہان دہلی

نیر و غالب و آزردہ سے پھر لوگ کہاں
داغ اب یہ ہیں غنیمت ہمہ دان دہلی

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی 1959

جگت موہن لال رواں

ہند مظلوم

حالتیں کہتی ہیں یہ قوم کے ارمانوں کی
قسمتیں جاگ اٹھیں سوختہ سامانوں کی

پتلیاں بدلی نظر آتی ہیں دیوانوں کی
توڑ ڈالیں گے یہ دیواروں کو زندانوں کی

چند مظلوم زن و مرد، کچھ اجڑے ہوئے گھر
سرخیاں ہیں یہ مری قوم کے افسانوں کی

لٹ گیا ملک گرفتار ہوئی قوم مگر
طاقتیں یوں بھی کہیں مٹتی ہیں ایمانوں کی

ہندوؤں کی ابھی مالا ہے بدستور وہی
ابھی تسبیح بھی باقی ہے مسلمانوں کی

چھینٹیں کچھ خون کی دیواروں پہ کچھ کاسۂ سر
یادگاریں ابھی محفوظ ہیں دیوانوں کی

ہند مظلوم ہے فریاد کناں اے مالک

جلد لے جلد خبر اپنے پریشانوں کی

یہ عجب جنگ ہے اس دور زمانہ میں رواں
اس طرف توپ ادھر ڈھال ہے ایمانوں کی

○ ماخوذاز ''اردو میں قومی شاعری کے سوسال''، مرتب: علی جوادزیدی1959

ساحر لدھیانوی

یہ کس کا لہو ہے؟

(جہازیوں کی بغاوت 1946)

اے رہبر ملک و قوم بتا
آنکھیں تو اٹھا، نظریں تو ملا
کچھ ہم بھی سنیں، ہم کو بھی بتا
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا؟

دھرتی کی سلگتی چھاتی کے بے چین شرارے پوچھتے ہیں
تم لوگ جنھیں اپنا نہ سکے وہ خون کے دھارے پوچھتے ہیں
سڑکوں کی زباں چلاتی ہے ساگر کے کنارے پوچھتے ہیں
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا

وہ کون سا جذبہ تھا جس سے فرسودہ نظام زیست ہلا
جھلسے ہوئے ویراں گلشن میں اک آس امید کا پھول کھلا
جنتا کا لہو فوجوں سے ملا، فوجوں کا لہو جنتا سے ملا
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا

اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا
اے عزم فنا دینے والو، پیغام بقا دینے والو
اب آگ سے کیوں کتراتے ہو، شعلوں کو ہوا دینے والو
طوفان سے اب ڈرتے کیوں ہو، موجوں کو صدا دینے والو
کیا بھول گئے اپنا نعرہ
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا
ہم ٹھان چکے ہیں اب جی میں، ہر ظالم سے ٹکرائیں گے
تم سمجھوتے کی آس رکھو، ہم آگے بڑھتے جائیں گے
ہر منزل آزادی کی قسم، ہر منزل پر دہرائیں گے
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے، کون مرا

○ ماخوذ از ''ہندوستاں ہمارا''، جلد دوم

مرزا قربان علی بیگ سالک

بازار موت

شہر دلی ہوا ہے کیوں خالی | کیوں مٹی یاں سے صورت آدم
روز بازار موت دیکھ کے چین | ملک الموت کو نہیں اک دم
ڈھیر کس جا نہیں ہے مردوں کا | کس زباں پر نہیں فغاں پیہم
نہیں تل دھرنے کو زمیں میں جگہ | مردے کا دفن ہو بلا سے اہم
خاک آلودگان پیشیں پر | یہ نئے طور کا ہوا ہے ستم
ایک کی قبر میں گئے سو اور | تنگی جا سے لڑتے ہیں باہم
قافلہ قافلہ گئے کیوں لوگ | کب ہے اتنا وسیع ملک عدم
نہیں جاتے مگر عدم کو یہ لوگ | اور بھی نکتہ اس میں ہے مبہم
کرۂ خاک و باد و آتش و آب | فرط خلقت سے ہو گئے تھے کم
روئے اپنی کمی پہ یہ چاروں | ہوگیا رحم خالق عالم

دے دیا ان کو لے کے خلقت سے
کچھ عناصر جو مل رہے تھے بہم

❁

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی 1959

مرزا قربان علی بیگ سالک

انقلاب دہلی

یہ انقلاب ہے یا ہے قیامت صغریٰ
کوئی نہیں ہے کہ جس کے رہے ہوں ہوش بجا
ہوئی ہے آدمی کی شکل شہر میں عنقا
بنا ہے ہو کا مکاں بس اک گلی کوچہ
ہوئے ہیں لوگ یہاں کے کہاں کہاں آباد
ہر ایک گاؤں بنا ہے مگر جہاں آباد
سمجھ کے اپنا ٹھکانہ جہاں گئے ہم لوگ
ذلیل یاں سے زیادہ ہوئے وہاں ہم لوگ
بنے ہیں طائر گم گشتہ آشیاں ہم لوگ
پھرے ہیں امن کے طالب کہاں کہاں ہم لوگ
زمین ہوگئی دشمن نہ پائی جائے ثبات
ٹھہر سکا نہ کسی جائے اپنا پائے ثبات
وہ لوگ کھاتے تھے جن کی نشاط کی قسمیں
پڑے ہیں طالع ناسازگار کے بس میں

محل میں رہتے تھے یا اب پڑے ہیں محبس میں
نہ تاب دل میں ہے طاقت نہ جان بیکس میں

جو تشنہ لب ہوں تو آب دم سناں موجود
جو گل سنہ ہوں تو کھانے کو گولیاں موجود

وہ جن کی طبع کہ آسودگی پہ مائل ہے
پیادہ کیوں کہ چلیں ناقہ ہے نہ محمل ہے
اٹھائیں ایک قدم بھی اگر تو مشکل ہے
قدم کہے کہ ٹھہر جاؤ یہی منزل ہے

سروں پہ بوجھ ہے گٹھری کا لڑکھڑاتے ہیں
بس اپنے جی کی طرح بیٹھ بیٹھ جاتے ہیں

○ ماخوذاز ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

درگا سہائے سرور جہان آبادی

بدنصیب بنگال

آہ اے بنگال آلام و مصائب کے شکار
آہ اے کرزن کی پالیسی کے صید بیقرار
آہ اے نخچیر ناوک خوردۂ دست اجل
آہ اے خونیں جگر خونیں کفن خونیں مزار
آہ اے محنت کش و حرماں نصیب و درد مند
آہ اے برگشتہ ایام و پریشاں روزگار
مل گئیں تیری وفائیں خاک میں سب ہائے ہائے
ہوگیا حکام کی نظروں میں تو بے اعتبار
کر کے دو ٹکڑے کلیجے کے ترے یہ آہ کون
چل دیا تجھ کو تڑپتا چھوڑ کے بیگانہ وار
کرزن بیدار خو، اہل پولس حکام وقت
تو ہوا اف! اف!! نہ کس کس کی جفاؤں کا شکار

❂

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی 1959

شبلی نعمانی

انقلاب چرخ گردوں[1]

تمھارا درد دل سمجھیں گے کیا ہندوستاں والے
کہ تم نے وہ مظالم ہائے گوناگوں بھی دیکھے ہیں

یتیموں کے سنے ہیں نالہ ہائے جاں گزا تم نے
زنان بے نوا کے چہرۂ محزوں بھی دیکھے ہیں

گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کو جلا دینا
بلاد مغربی کے یہ نئے قانوں بھی دیکھے ہیں

مسلمانوں کے قتل عام اور ترکوں کی بربادی
نتائج ہائے امید گلیڈ سٹوں بھی دیکھے ہیں

تمھیں نے غازیوں کے جسم پر ٹانکے لگائے ہیں
شہیدان وطن کے جامۂ پرخوں بھی دیکھے ہیں

[1] مولانا محمد علی کی کوشش سے بلقان کی لڑائی میں ہندستان سے ایک طبی وفد بھیجا گیا تھا جس کے رہبر ڈاکٹر مختار انصاری مرحوم تھے۔ اس وفد کے سارے اخراجات ہندوستان کے مسلمانوں نے برداشت کیے۔ جنگ ختم ہونے پر جب یہ وفد ہندوستان واپس آیا تو شبلی نے اپنے جذبات کا اظہار ایک نظم میں کیا۔ ذیل کے اشعار اسی نظم سے لیے گئے ہیں۔

تمھاری چشمِ عبرت گیر خود ہم سے یہ کہتی ہے
کہ ہم نے وہ مصائب ہائے گوناگوں بھی دیکھے ہیں
لہو کی چادریں دیکھی ہیں رخسار شہیداں پر
زمیں پر پارہ ہائے سینۂ پرخوں بھی دیکھے ہیں
نگار آرائیاں دیکھی ہیں چشمِ گوہر افشاں کی
شہیدانِ وفا کے عارضِ گلگوں بھی دیکھے ہیں
تمھیں سے کچھ پتہ ملتا ہے شیدایانِ ملت کا
کہ تم نے شاہدِ اسلام کے مفتوں بھی دیکھے ہیں
جنونِ جوشِ اسلامی کوئی سمجھا تو تم سمجھے
کہ تم نے لیلیٰ اسلام کے مجنوں بھی دیکھے ہیں
سہارا ہے اگر امید کا اب بھی کوئی باقی
تو تم نے وہ رموزِ قوتِ مکنوں بھی دیکھے ہیں
عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں
دعائے کہنہ سالاں ہے اگر مقبولِ یزدانی
تو اب دستِ دعا ہے اور یہ شبلی نعمانی

۞

○ ماخوذ از ''ہندوستاں ہمارا''، جلد دوم، نالۂ شبلی، علی گڈھ، 1912

شاہ زادہ مرزا قادر بخش صابر

غزل

بسکہ بے داد سے ٹوٹے ہیں مکان دہلی
ہو رقم خط شکستہ سے بیان دہلی
لامکاں ہوگئے ٹوٹے سے مکان دہلی
بڑھ گئی عرش معلّیٰ سے بھی شان دہلی
یہ وہ جا ہے کہ دکھاتی تھی سدا حشر کو راہ
چشم نقش قدم راہ روان دہلی
جس طرف دیکھیے اللہ ہی نظر آتا ہے
بڑھ گئی اور بھی ویرانی میں شان دہلی
موج زن اشک مسلسل ہیں گلی کوچوں میں
پا بہ زنجیر ہوئے سرد روان دہلی
طالع خفتہ کو ہوتا ہے فسانہ ان کا
کیوں یہ کرتے ہیں فغاں غم زدگان دہلی
خلد تھی ان کی گلی عرش بریں بام اس کا
دعویداران خدائی تھے بتان دہلی

نہ رکھا چرخ نے روزی کا وسیلہ کوئی
کیا فرشتوں کو بسائے گا میان دہلی

وہ گریزاں ہوئے سب اور کشاکش میں رہے
تھے مگر تیروکماں پیر و جوان دہلی

اس کا سایہ تھا سعادت کا کبھی سرمایہ
تھا ہما سے بھی سوا زاغ میان دہلی

لوٹ سے اور بھی بازار ہوا گرم اس کا
صاف ہے صورت آئینہ مکان دہلی

مردے تو مردے ہیں زندوں میں نہیں دم باقی
عدم آباد میں بستے ہیں کسان دہلی

ان کے اٹھنے سے یہاں بیٹھنے کو، جا نہ رہی
ہند میں ظل الٰہی تھے شہان دہلی

وہ ہوئے غم سے سفید اور یہ سن کے باعث
ایک عالم میں ہیں سب پیرو جوان دہلی

بسکہ گل زار ہے زخموں سے تن اک عالم کا
بن گئی موسم گل فصل خزان دہلی

۞

○ ماخوذ از ''فغان دہلی''

بہادر شاہ ثانی ظفر

اقتباس از مخمس شہر آشوب

کیا پوچھتے ہو کج روی چرخ چنبری
ہے اس ستم شعار کا شیوہ ستم گری
کرتا ہے خوار تر انھیں جن کو ہے برتری
اس کے مزاج میں ہے یہ کیا سفلہ پروری

کھائے ہے گوشت زاغ، فقط استخواں ہما
کیا منصفی ہے زاغ کہاں اور کہاں ہما

بالعکس ہیں زمانے میں جتنے ہیں کاروبار
شیوہ کیا ہے الٹا زمانہ نے اختیار
ہے موسم بہار خزاں اور خزاں بہار
آئی نظر عجب روش باغ روزگار

جو نخل پر ثمر ہیں اٹھا سکتے سر نہیں
سرکش ہیں وہ درخت کہ جن میں ثمر نہیں

باد صبا اڑاتی چمن میں ہے سر پہ خاک
ملتے ہیں دم بہ دم کف افسوس برگ تاک

غنچے ہیں دل گرفتہ، گلوں کے جگر میں چاک
کرتی ہیں بلبلیں یہی فریاد درد ناک

شاداب حیف خار ہوں ، گل پائمال ہوں
گلشن ہوں خار نخل مغیلاں نہال ہوں

جائیں نکل فلک کے احاطے سے ہم کہاں
ہووے گا سر پہ چرخ بھی جاویں گے ہم جہاں
کوئی بلا ہے خانۂ زنداں یہ آسماں
چھٹنا محال اس سے ہے، جب تک ہے تن میں جاں

جو آگیا ہے اس محل تیرہ رنگ میں
قید حیات سے ہے وہ قید فرنگ میں

یہ گنبد فلک ہے عجب طرح کا قفس
طاقت نہیں ہے نالے کی بھی جس میں اک نفس
جنبش ہو ایک پر کی تو پر ٹوٹ جائیں دس
رہ جائے دل کی دل میں نہ کس طرح سے ہوس

کیا طائر اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں نہ اتنا دم ہو کہ آواز کر سکے

۞

○ ماخوذ از ''فغان دہلی'' 1861 اور ''شہر آشوب'' مرتب: ڈاکٹر نعیم احمد دہلی 1968

بہادر شاہ ظفر شہنشاہ دھلی

بہادر شاہ کا غم

اعتبار صبر و طاقت خاک میں رکھوں ظفر
فوج ہندوستان نے کب ساتھ ٹیپو کا دیا

○ ماخوذ از ''کلیات ظفر''، دیوان اول، نول کشور پریس لکھنؤ 1872

ظفر علی خاں

مظالم پنجاب

میں نے امرت سر میں اک دن اپنے خواجہ سے کہا
پیٹ کے بل رینگ لیجیے بندہ پرور آپ بھی

ایک تہ آماس کی تا فربہی پر جائے چڑھ
کھائیے ہر روز صبح و شام ہنٹر آپ بھی

ناک سے کچھ دن زمیں پر کھینچتے رہیے لکیر
پھیریے کونچی سفیدی کی بدن پر آپ بھی

بعد مغرب جائیے مسجد کو اور اس جرم میں
پیٹھ پر کھنچوائیے چابک سے مسطر آپ بھی

چلیے سولہ میل دن میں ہانپتے اور کانپتے
پاؤں میں کچھ روز ڈالے رہیے چکر آپ بھی

بسیے جا کر جیل میں اور کھائیے ارہر کی دال
میہماں رہیے ذرا سرکار کے گھر آپ بھی

پھر یہ کہیے مارشل لا حشر تک قائم رہے
ورنہ ہوں گے منکر جنرل اڈوائر آپ بھی

○ ماخوذ از ''ہندوستان ہمارا''، جلد دوم

ظہیر دہلوی

ہنگامۂ دار و گیر[1]

نہال گلشن اقبال پائمال ہوئے
گل ریاض خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا کمال ہوئے اور یہ کیا زوال ہوئے
کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے

جو عطر گل کو نہ ملتے، ملے وہ مٹی میں
جو فرش گل پہ نہ چلتے، ملے وہ مٹی میں

جہاں کی تشنۂ خوں تیغ آبدار ہوئی
سنان نیزہ ہر اک سینہ سے دوچار ہوئی
رسن ہر ایک بشر کے گلے کا ہار ہوئی
ہر ایک سمت سے فریاد گیر و دار ہوئی

ہر ایک دشت بلا میں کشاں کشاں پہنچا
جہاں کی خاک تھی جس جس کی وہ وہاں پہنچا

[1] میرزا الٰہی بخش کی نشان دہی پر تیس شاہزادگان دہلی جن میں بادشاہ کے بیٹے، پوتے، نواسے اور داماد شامل تھے گرفتار کر کے بیرون دہلی دروازہ لائے گئے اور وہاں ان کو قتل کر کے ان کے سر کٹوا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیے گئے۔

ہر ایک شہر کا پیر اور جوان قتل ہوا
ہر اک قبیلہ و ہر خاندان قتل ہوا
ہر ایک اہل زباں خوش بیان قتل ہوا
غرض خلاصہ یہ ہے اک جہان قتل ہوا

گھروں سے کھینچ کے کشتوں پہ کشتے ڈالے ہیں
نہ گور ہے نہ کفن ہے نہ رونے والے ہیں

وہ گل سے چہرے حرارت سے تمتمائے ہوئے
وہ گورے گورے بدن خاک میں ملائے ہوئے
لبوں پہ آہ جگر میں الم سمائے ہوئے
جفا کی تیغ کے سب زخم دل پہ کھائے ہوئے

وہ داغ مرگ عزیزاں وہ دشت پیمائی
وہ ریگ خار مغیلاں وہ آبلہ پائی

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

علی حسین شاہ علی

شامِ غربت

دیکھتا ہوں چھا رہی ہے ہر طرف
شامِ غربت آج ہندوستان میں
یہ بھی کوئی زندگی ہے جب نہیں
خشک ٹکڑا قسمت انسان میں
سینکڑوں فاقوں کے مارے جا بسے
قوم کے فرزند قبرستان میں
حاکموں کے سگ ہیں پلتے دودھ پر
آپ کی دولت سے انگلستان میں
پر تمھیں ملتی نہیں نانِ جویں
جان آئے کس طرح سے جان میں
مال و دولت جارہا ہے رات دن
لٹ کے انگلستان میں جاپان میں
سب غلامی کے کرشمے ہیں علی
آج غربت ہے جو ہندوستان میں

۞

○ ماخوذ از ''آزادی کے ترانے''، نیشنل میوزیم

حکیم آغا جان عیش

دہلی و لکھنؤ

ہو گئے ویران دہلی و دیار لکھنؤ
اب کہاں وہ لطف دہلی و بہار لکھنؤ

باغ دہلی تو ہوا یوں یک قلم برباد اور
مل گیا سب خاک میں نقش و نگار لکھنؤ

اہل جوہر تو ملائے خاک میں دہلی کے واں
رہ گئے یوں بے سر و پا و ضعدار لکھنؤ

جو تھے دہلی میں عمائد وہ کیے یکسر خراب
ور تبہ سارے کیے صاحب وقار لکھنؤ

تھا خس و خاشاک دہلی غیرت صدلالہ زار
رشک صد گلزار تھا ایک ایک خار لکھنؤ

سو فلک نے یوں کیا دہلی کو تو پامال جور
اور کیا وقف جفا ہر برگ و بار لکھنؤ

رشک صد خورشید تھا ہر ذرہ دہلی سنا
مارتا چشمک صفا پر تھا غبار لکھنؤ

غم میں دہلی کے گلوں کے تو گریباں چاک ہیں
اور سوسن ہے چمن میں سوگوار لکھنؤ

ٹکڑے ہوتا ہے جگر دہلی کے صدمے سن کے عیش
اور دل پھٹتا ہے سن کر حالِ زار لکھنؤ

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

مرزا اسد اللہ خاں غالب

قطعہ

بسکہ فعال ما یرید ہے آج ہر سلحشور انگلستاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب، انساں کا
چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے گھر بنا ہے نمونہ، زنداں کا
شہر دلی کا ذرہ ذرہ خاک تشنۂ خوں ہے، ہر مسلماں کا
کوئی واں سے، نہ آسکے یاں تک آدمی واں نہ جا سکے، یاں کا
میں نے مانا کہ مل گئے، پھر کیا وہی رونا تن و دل و جاں کا
گاہ جل کر، کیا کیے شکوہ سوزش داغہائے پنہاں کا
گاہ رو کر، کہا کیے باہم ماجرا دید ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب
کیا مٹے دل سے، داغ ہجراں کا

✡

○ ماخوذ از دیوان غالب، مرتبہ: امتیاز علی خاں عرشی، دہلی 1958
(2) ''شہر آشوب'' مرتب ڈاکٹر نعیم احمد، دہلی 1968

ملا کمال لکھنوی

اقتباس از شہر آشوب

جہاں تھے بجنے کے طبل اور بوق کے دستور
بجے ہے اب وہاں ناقوس اور آہ طنبور
دریغ ایسا ہو برباد خانۂ تیمور
کہ ریزہ چیں تھے سدا جس کے قیصر و فغفور

بگڑ گیا ہے زمانے کا ہائے کیا اطوار

ووہی یہ شہر ہے اور ووہی یہ ہندوستان
کہ جس کو رشک جناں جانتے ہیں سب انسان
فرنگیوں کی سو کثرت کہ، ہو کے سب ویران
نظر پڑے ہیں بس اب صورت فرنگستان

نہیں سوار رہے یہاں، سوائے ترک سوار

جہاں کہ نوبت و شہنائی، جھانجھ کی تھی صدا
فرنگیوں کا ہے اس جا پہ ٹم ٹم اب بجتا
اسی سے سمجھو، رہا سلطنت کا کیا رتبہ

ہو جب کہ محل سراؤں میں گوروں کا پہرا
نہ شاہ ہے، نہ وزیر، اب فرنگی ہیں مختار

کچھ ایسا ان پہ ہے غالب، اب ان کا رعب و داب
کہ نکلا پڑتا ہے دہشت سے ان کا بس پیشاب
یہ تھرتھراتے ہیں یوں، دیکھا ان کو وقت عتاب
کہ گاو کا نپتی ہے جوں، دیکھ صورت قصاب

پڑے پڑے جو کہاتے ہیں یھاں سپہ سالار

نہ ہووے دیکھ کے کیوں دل بھی اپنا یوں مغموم
ہو جب کہ جائے ہما آہ آشیانۂ بوم
وہ چھچھے تو بس، اس ملک میں ہیں اب معلوم
فرنگیوں کے جو حاکم ہیں ہو کے اب محکوم

تو ہم غریبوں کا پھر کیا ہے یھاں قطار و شمار

○ ماخوذ از ''شہر آشوب'' مرتب: ڈاکٹر نعیم احمد دہلی 1968

لااعلم

واجد علی شاہ اور قیصر باغ کا ماتم

آس پاس سونے کے کنگورے، بیچ میں تخت بچھایا
آن پڑی انگریز کی پلٹن، حکم اپنا چلایا
مزہ پادشاہ نے نہ پایا، کیسا قیصر باغ بنایا
امیر غریب سبھی مل مل روئیں، روئے پھوٹ پھوٹ کر سارا سنسار
ہائے گیو پردیس میں اپنے دیس سے رخصت ہو کے سردار
کیسا قیصر باغ بنایا مزہ واجد علی نے نہ پایا
لال لال کپڑے پہنے پادشاہ جو گیا روپ بنائے
لال لال کپڑے سارے مصاحب جوگیا روپ بنائے
ارے قیصر باغ بنایا مزہ حضرت نے نہ پایا

○ نقل کردہ از پنڈت رام غریب چوبے، ماخوذ از "The Indian 'Antiquary" فروری 1911

لاعلم

مظلوم سرون کا لوک گیت

دھر کلکتہ سے چلا فرنجن[1] پانچوں پیر منائے

اللہ جانے رے پانچوں پیر منائے

پانچ مقام دلی کے چھٹا گوانا گانوں

اللہ جانے رے چھٹا گوانا گانوں

دھولے کنویں پر تنبو دے تانے میخیں دیں گڑوائے

اللہ جانے رے میخیں دیں گڑوائے

پانچ سوار چھٹا رے فرنجن سرون ڈھونڈن جائے

اللہ جانے رے سرون ڈھونڈن جائے

جو کوئی سرون کا بھید بتائے ہاتھی دوں گا انعام

اللہ جانے رے ہاتھی دوں گا انعام

سگے چچا نے بھید بتایو سرون باجرے میں

اللہ جانے رے سرون باجرے میں

ڈولے ڈولے چلا فرنجن پانچ سوار لیے

[1] فرنجن۔ ولیم فریزر دہلی میں انگریز ریزیڈنٹ جو مشہور عیاش تھا مارچ 1835 میں اس کا قتل ہو گیا۔

تیرا مریو پانچ سوار لیے

پانچ پیڑ باجرے کے کاٹے چھٹانہ کاٹا جائے

اللہ جانے رے چھٹانہ کاٹا جائے

ہاتھ میں گو پیاڈو نگے درانتی ٹولے بگاتی جائے

اللہ جانے رے ٹولے بگاتی جائے

ہاتھ پکڑ ہاتھی پہ ڈالا سرون روتی جائے

تیرا مریو سرون روتی جائے

امی چند روتا دولے سرون میری جائے

تیرا مریو سرون میری جائے

بھائی بھتیجو سبھی جو کنبہ مل لے سرون پھیر ملن کی نائے

اللہ جانے سرون پھیر ملن کی نائے

الٹے سلٹے گوندھ ری نائی کہ پھر نہ گندھاون آئے

اللہ جانے رے پھر نہ گندھاون آئے

آگے لوہار کی پیچھے سنار کی بیچ میں سرون جائے

اللہ جانے رے بیچ میں سرون جائے

آدھی رات پہر کا تڑکا تارے گنتی جائے

اللہ جانے رے تارے گنتی جائے

چھوٹے بگڑ سے بڑے بگڑ میں جائے

اللہ جانے رے بڑے بگڑ میں جائے

پیڑھی کا بیٹھنا چھوڑ میری سرون کرسی کا بیٹھنا سیکھ
اللہ جانے رے کرسی کا بیٹھنا سیکھ
ہاتھوں سے کھانا چھوڑ میری سرون چھری کانٹوں سے کھانا سیکھ
اللہ جانے رے چھری کانٹوں سے کھانا سیکھ
لہنگے کا پہننا چھوڑ میری سرون سایے کا پہننا سیکھ
اللہ جانے رے سایے کا پہننا سیکھ

✿

○ ماخوذ از مضمون بہ عنوان ولیم فریزر کا قتل، نواب شمس الدین اور لوک گیت فرنجن از تبسم کاشمیری مطبوعہ دریافت شمارہ 5 اسلام آباد 2006
یہ مضمون آغا حیدر حسن دہلوی کے ایک مضمون مطبوعہ ''ادبی دنیا'' لاہور بابت 19 ر جولائی 1937 پر مبنی ہے جیسا کہ تبسم کاشمیری نے خود لکھا ہے۔ یہ گیت آغا صاحب کے مضمون سے لیا گیا ہے۔ چوں کہ فریزر کی موت 1835 میں ہوئی اس لیے یہ گیت اس سے خاصا پہلے کا ہوگا۔

تلوک چند محروم

شہید بھگت سنگھ

زنداں میں شہیدوں کا وہ سردار آیا	شیدائے وطن ، پیکر ایثار آیا
ہے دار و رسن کی سرفرازی کا دن	سردار بھگت سنگھ سردار آیا

تا دار و رسن شوق سے اٹھلا کے گیا	تو شان شہادت اپنی دکھلا کے گیا
ٹکڑے ہوتا ہے دل ترے ماتم میں	لاشے کا انگ انگ کٹوا کے گیا

پی کر مئے شوق جھومنا وہ تیرا	بے پروایانہ گھومنا وہ تیرا
ہے نقش ترے اہل وطن کے دل پر	پھانسی کی رسن کو چومنا وہ تیرا

جام حب وطن کے اے متوالے	اے پیکر ناموس ، حمیت والے
ہو عالم ارواح میں شاداں کہ نہیں	اب تیرے وطن میں وہ حکومت والے

❁

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

شیخ غلام ہمدانی مصحفی

اشعار

ہندوستاں کی دولت و حشمت جو کچھ بھی تھی
کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی
(دیوان سوئم تاریخ ترتیب 1795 کے آس پاس)

ہے یہ فلک سفلہ وہ پھیکا سا فرنگی
رکھتا ہے مہ خور سے جو پاس اپنے دو بسکٹ
(دیوان ہفتم، تاریخ ترتیب 1810 کے آس پاس)

توڑ جوڑ آوے ہے کیا خوب نصاریٰ کے تئیں
فوج دشمن سے وہیں لیتے ہیں سردار کو توڑ
(دیوان ہشتم تاریخ ترتیب 1820 کے آس پاس)

مالک الملک نصاریٰ ہوئے کلکتہ لے
یہ تو نکلی عجب اک وضع کے جنجال کی کھال
(دیوان ہشتم تاریخ ترتیب 1820 کے آس پاس)

۞

سید اسمٰعیل حسین منیر شکوہ آبادی

غزل

دل تو پژمردہ ہے، داغ گلستاں ہوں تو کیا
آنکھیں روتی ہیں، دہان زخم خنداں ہوں تو کیا

لاکھوں گل روداغ حسرت لے گئے زیر زمیں
باغ عالم میں اگر دو پھول، خنداں ہوں تو کیا

سینکڑوں کو لوٹ کر، دوچار گھر بھردے فلک
سب میں ماتم ہے، اگر دس تہنیت خواں ہوں تو کیا

فائدہ کیا بعد مردن ہو جو، اپنا ذکر خیر
لوحیں قبروں کی اگر، اوراق قرآں ہوں تو کیا

داغ غم دل پر اٹھا کر، مرنے والے مرگئے
برج قبروں کے اگر، سرو چراغاں ہوں تو کیا

لخت دل میرے اٹھا کر، جمع کر رکھے فلک
غیروں کی خاطر اگر، لعل بدخشاں ہوں تو کیا

ہوگئے برباد، شاہان سلیماں منزلت
اب بلائیں ہوں تو کیا دنیا میں، پریاں ہوں تو کیا

پڑ گئے پتھر جواہر پوشوں پر، اے آسماں
کوڑیوں کے مول اب، لعل بدخشاں ہوں تو کیا
موت کے پنجے میں، شیران دلاور پھنس گئے
صید افگن ایک دو، شیر نیستاں ہوں تو کیا
بیگمیں، شہزادیاں، پھرنے لگیں خانہ خراب
اب چڑیلیں، صاحبان قصر دیواں ہوں تو کیا
ہو کے محتاج کفن، مرمر گئے زریں لباس
خلعت زیبا، نصیب شخص عریاں ہوں تو کیا
گیسوؤں والے تو لاکھوں، ہوگئے پیوند خاک
ان کے مرقد سے جو پیدا، سنبلستاں ہوں تو کیا
جود وشالے دیتے تھے، کملی بھی اب پاتے نہیں
پاجیوں کو قاقم و سنجاب، ارزاں ہوں تو کیا
فرش خاک اب اہل مسند کو، نہیں ہوتا نصیب
بوریہ باف آج، زیب تخت سلطاں ہوں تو کیا
مسجدیں ٹوٹی پڑی ہیں، صومعہ ویران ہیں
یاد حق میں ایک دو، دل ہائے سوزاں ہوں تو کیا
خانقاہیں منہدم ہیں، مے کدے آباد ہیں
رنج میں ہیں اہل دیں، خوش اہل عصیاں ہوں تو کیا

مٹ گئے قصر مرصع، کھد گئے زریں محل
رنج سے معمور گر، دل ہائے ویراں ہوں تو کیا
نور کی خلوت میں، پریاں ناچتی تھیں جس جگہ
اس جگہ مشعل بہ کف، غول بیاباں ہوں تو کیا
چاند سورج جن سے شرماتے تھے، وہ تو مٹ گئے
اب زمانے میں جو مہر و مہ، درخشاں ہوں تو کیا
نخل بندان ریاض فیض و ہمت، ہیں تباہ
پاسبان کشت خست، چند دہقاں ہوں تو کیا
یوسفوں سے ہوگئے بازار خالی، اے فلک
زشت رویان جہاں اجناس دکاں ہوں تو کیا
دانے دانے کے لیے، محتاج ہیں عالی گہر
اشک حسرت اپنے، مروارید غلطاں ہوں تو کیا
صوفیان صاف طینت، و اصل حق ہوگئے
خود نما دوچار، ننگ اہل عرفاں ہوں تو کیا
کاملوں کو کردیا برباد، تونے اے فلک
چند نالائق ترے، ممنون احساں ہوں تو کیا
جاں بلب ہیں غم سے، استادان فن نظم و نثر
مطمئن اس عہد میں، دس بیس ناداں ہوں تو کیا

بکتے ہیں ایمان، اچھی قیمتوں کو آج کل
اس تجارت میں اگر، شاگرد شیطاں ہوں تو کیا

دیں فروشی کرتے ہیں، اونچے خریداروں کے ہاتھ
کامیاب مال ہیں، محروم ایماں ہوں تو کیا

باغ جو رشک ارم تھے ان میں ہیں زقوم و خار
مزبلوں پر سنبل و نسریں وریحاں ہوں تو کیا

طوطیان خوش بیاں کو زہر ہے، قید حیات
زاغ و بوم اپنے لیے مرغ خوش الحاں ہوں تو کیا

حافظ و قاری کامل، پڑھ رہے ہیں صُمٌ و بکم
لاف زن آفاق میں لاکھوں، غلط خواں ہوں تو کیا

منعم و فیاض ہیں محتاج، نان خشک کے
خاکر وبوں کو میسر، خوان الواں ہوں تو کیا

پھرتے ہیں آوارہ، خضر جادۂ فضل و کمال
مدعی علم و دانش، چند ناداں ہوں تو کیا

بھیڑیوں سے بچ رہے جو چند یوسف، اے فلک
خانماں برباد، اسیر بندو زنداں ہوں تو کیا

پیشوایان رہ دیں، ڈر سے ہیں عزلت گزیں
گنج کی مانند، ویرانوں میں پنہاں ہوں تو کیا

نوحہ گر ہیں قاضیان و مفتیان واہل عدل
چندنا منصف، پناہ اہل دوراں، ہوں تو کیا
علم دیں کوئی پڑھائے یا پڑھے، کس کی مجال
صرف علم دنیوی، طفل دبستاں ہوں تو کیا
عالمان با عمل تو، پیتے ہیں خون جگر
راحتوں میں رہزنان دین و ایماں ہوں تو کیا
تعزیہ خانوں میں خاک اڑتی ہے، چلتی ہے شراب
غم سے آنکھیں، صورت زخم شہیداں ہوں تو کیا
قدردان شاعری و شعر پھرتے ہیں خراب
صاحب دیواں اگر اب کے سخنداں ہوں تو کیا
رستمان عصر جرأت اپنی جانیں، دیتے ہیں
اپنے گھر قصاب و رہزن، مرد میداں ہوں تو کیا
بے کفن ہیں وہ، کہ شان میرزائی جن میں تھی
سوگ میں، صد پاک داماں و گریباں ہوں تو کیا
بجھ گئیں شمعیں، جلیں پروانے تو کیا فائدہ
اڑ گئے پروانے، شمعیں نور افشاں ہوں تو کیا
دیکھنے والے نہیں، پھر آئینے کس کام کے
بے زلیخا شہر سارے یوسفستاں ہوں تو کیا

سخت جان و بے حیا، دوچار ہم سے جو رہے
ہر گھڑی، پابند خوف عزت و جاں ہوں تو کیا

کھائے جاتی ہے انھیں بھی، رات دن فکر معاش
روز لب ہائے تاسف، رزق دنداں ہوں تو کیا

چھپ گئے گوشوں میں عنقا کی طرح، نباض عقل
آج بیمار و مسیحا، دونوں یکساں ہوں تو کیا

روئیے کس کس مزے کو، یاد کر کے اے فلک
زخم دل پر سینکڑوں خالی، نمکداں ہوں تو کیا

یہ غزل ہے حسب حال دہر، مثل قطعہ بند
ست بیتیں، صورت خواب پریشاں ہوں تو کیا

کربلا میں یا نجف میں چل کے، مرجائے منیر
ہند میں، ہم پہلوئے گور غریباں ہوں تو کیا

✿

○ ماخوذاز: ''شہرآشوب'' مرتب: ڈاکٹر نعیم احمد 1968

راجا رام نرائن موزوں

سراج الدولہ کا ماتم

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دیوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

✿

حصۂ دوم

جنگی معرکے

لاعلم

انگریز فوج کا محاصرۂ قلعہ بھرت پور

ہر سکھ تو کرے بیان بھرت پور تو زہر ہے
اونچا سا بنا کوٹ وہاں خندق میں نہر ہے
مارا تو نہیں جائے گا وہاں ٹھاکر کی مہر ہے

تین سو جوان میرے نکلے ہیں جنگی
پچہتر جوانوں کی جس میں چھاتی ہے ننگی
تار تار ٹوپی وہ تو کا کل بنالیں؟

دو دو فرنگی کو پکڑ سر کو بھڑا دیں
تمر غل[1] کو کریں قید فوجیں کٹا دیں
اپنے فتح نامے کا ڈنکا بجا دیں

بولو حقا حقا،
پھوڑوں دھار ادھکا
بڑھیا کو دو ٹکا
باسی تو کھاتا نہیں ہوں تازی پکا کے لا
بیگن کا سر پیٹا ہے کدو میں کیا وفا

گانے والا تلسی رام، ساکن موضع نکل، ضلع سہارن پور، نقل کردہ یاد رام، ساکن موضع نکل، ضلع سہارن پور
○ ماخوذ از: "The Indian Antiquary" بابت ماہ اپریل 1911
[1] غالباً کسی انگریز کے نام کو بگاڑ کر یوں لکھا گیا ہے۔

لاعلم

جھانسی کی رانی

خوب لڑی مردانی، ارے جھانسی والی رانی
برجن برجن توپیں لگائے دیں گولہ چلے آسمانی
ارے جھانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی
سگرے سپاہین کو پیڑا جلیبی، اپنے چبائے گڑ دھانی
ارے جھانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی
چھوڑ مورچہ لشکر کو بھاگی، ڈھونڈے ملے نہیں پانی
ارے جھانسی والی رانی، خوب لڑی مردانی

○ ماخوذ از "The Indian Antiquary" بابت جو 1911
گانے والا رامیشور دیال مشرا، ساکن کوٹالہ، ضلع اٹاوہ۔
قلم بند کردہ رگھونندن مدرس اسکول کوٹالہ۔
اس گیت کو دادرا کے طرز میں گایا جائے گا۔

لاعلم

جنگ نامۂ وجے سنگھ

وجے سنگھ کنجے[1] لڑائی مت کریے

ان بھی لیجا دھن بھی لیجا، لیجا بھتیجے کو ساتھ

وجے سنگھ کنجے لڑائی مت کریے

ان بھی لیجا دھن بھی لیجا بن میں کھیل شکار

وجے سنگھ کنجے لڑائی مت کریے

کلوا کا ساتھ چھوڑ بھورے کا ساتھ چھوڑ، دن گئے تجھے مروائے وے

چل کر وجے سنگھ لندھورے آئے کرے چچی سے جواب

وجے سنگھ کنجا سو سوار دیے رے چچی، دیکھوں انگریزوں کے ہاتھ

وجے سنگھ کنجے لڑائی مت لڑیے

ان بھی لیجا بیٹا، دھن بھی لیجا بیٹا گھر بیٹھا چین بھی اڑاوے

وجے سنگھ کنجے لڑائی مت کریے

گنگا پار کا کنور جو گوجر جس نے دیا ہے ساتھ

وجے سنگھ کنجے لڑائی مت کریے

شور صاحب جو چڑھ کر آئے، ڈانکو[2] سب مروائے

[1] روڑکی تحصیل میں ایک گانوں [2] ڈانکو = باغی

وجے سنگھ کنبے لڑائی مت کریے
توڑا پالی نے کری بہادری خوب بجائی تلوار
وجے سنگھ کنبے لڑائی مت کریے

✿

گانے والا تلسی رام برہمن ساکن موضع نکل ضلع سہارنپور
قلم بند کرنے والا رام چندر داس برہمن، موضع نکل، ضلع سہارنپور

- ماخوذ از "The Indian Antiquary" بابت ماہ اپریل 1911

ان گیتوں کے جمع کرنے والے انگریز افسر ولیم کروک آئی۔سی۔ایس (William Crook, I.C.S.) کے مطابق یہ گیت 1824 کا ہے یعنی 1824 کے کچھ پہلے کسی مقامی راجا وجے سنگھ نے انگریزوں سے بہادرانہ بغاوت کی تھی جس کی یاد میں یہ گیت بنایا گیا۔

لاعلم

فیض آباد 1857

رانا بہادر سپاہی اودھ میں دھوم مچائی مورے رام رے

لکھ لکھ چٹھیاں لاٹ نے بھیجا آن ملو رانا بھائی رے

جنگی خلعت لندن سے منگا دوں اودھ میں صوبہ (دار) بنائیں رے

جواب سوال لکھا رانا نے ہم سے نہ کرو چترائی رے

جب تک پران رہیں تن بھیتر تم کا کھود بہائے رے

زمیندار سب مل گئے گل خان مل مل کے کپائی رے

ایک تو بین سب کٹ کٹ جائے دوسرا گڈھی کھدوائی رے

✡

گانے والا اور قلم بند کرنے والا ل بندے علی سید، موضع اناہی، فیض آباد۔

○ ماخوذ از "The Indian antiquary" بابت ماہ اپریل 1911

لاعلم

گلاب سنگھ ٹھاکر

راجا گلاب سنگھ رہیا توری ہیروں اک بار درس دکھاوا رے

اپنی گڈھی سے یہ بولے گلاب سنگھ سن رے صاحبہ میری بات رے

پیدل بھی مارے سوار بھی مارے میری فوج بے حساب رے

بانکے گلاب سنگھ رہیا توری ہیروں اک بار درس دکھاوا رے

پہلی لڑائی لکھمن گڈھ جیتے دوسری لڑائی رحیم آباد

تیسری لڑائی سندیلوا میں جیتے جاموں میں کینا مقام رے

راجہ گلاب سنگھ رہیا تیری ہیروں اک بار درس دکھاوا رے

✿

گانے والا قمر الدین، ساکن سندیلہ، قلم بند کرنے والا پنڈت رام غریب چوبے۔

○ ماخوذ از "The Indian Antiquary" بابت ماہ اپریل 1911

لاعلم

میرٹھ 1857

چودہ[1] کے سال جنگ میرٹھ سے شروع ہوئی

بادل[2] کراپٹ[3] بنگال بڑا احاطہ[4] (احاطہ) ہے

وناش کال آئیں مت بھنگ بھئی فرینگین کی۔

کالی[5] ولایت ڈبایا چھاتی[6] ہے

گائے اور سورواہی کے کارتوس، سنت سپہین (کی)

بگاڑ دے گا لتا[7] ہے

کہیں ڈھول رام کی چودہ کے سال بیچ بھاگیں انگریز لوگ چھوڑے کلکتہ ہیں

1857 کا مقبول گیت۔ سنانے والا رامیشور دیال مشرا، ساکن کٹارا، ضلع اٹاوہ۔
قلم بند کرنے والا رگھونندن داس، مدرس کٹارا ضلع اٹاوہ)

1. سمبت 1914=1857
2. بادل=بمبئی
3. کراپٹ=مدراس
4. احاطہ=Presidency
5. کالی=کالی دیوی
6. چھاتی ہے=چاہتی ہے
7. لتا=لگتا

حصہ سوم

قومی یکجہتی اور ملک کی آزادی

آرزو لکھنوی

قومی گیت

اے ماں اے ماں تجھ کو سلام، بھارت ماتا کو پرنام

تو تو کیسی پیاری ماں ہے　　سب ماؤں سے اچھی ماں ہے
لاڈ اٹھانے والی ماں ہے　　اپنی ماں ہے اپنی ماں ہے

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تیری مانگ میں گنگا جل ہے　　بھرا پرا تیرا آنچل ہے
ہریالی ہے پھول ہے پھل ہے　　تیری گودی سکھ منڈل ہے

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

سب سے اونچے پربت والی　　سب سے بڑھ کر شوکت والی
سب سے بھاری دولت والی　　عزت والی عظمت والی

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تیری چھاتی دھرم سمندر　　جس کی موجیں مسجد مندر
دونوں کی ہے گونج برابر　　اللہ اللہ، ایشور ایشور

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

ہندو مسلم گورے کالے　　پریم کی دارو کے متوالے

سب ہیں تیری گود کے پالے　　سب ہیں بات پہ مرنے والے

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تیرے دودھ کی سب میں طاقت　　الفت، عزت، ہمت، جرأت

تیری دعائیں فتح و نصرت　　تیرے پاؤں کے نیچے جنت

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

اب تو لٹیرے تجھ کو لوٹیں　　بے بھگتے بھگتان نہ چھوٹیں

ہاتھ میں دھن ہو بازو ٹوٹیں　　گھور کے دیکھیں آنکھیں پھوٹیں

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

تجھ سے آشیرباد جو پائیں　　آرزو ایسے بھی تن جائیں

بجلی بن کر آفت ڈھائیں　　دور ہوں پھر تو ساری بلائیں

ماتا کو پرنام، اے ماں اے ماں تجھ کو سلام

اے ماں اے ماں تجھ کو سلام، بھارت ماتا کو پرنام

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

کنور پرتاپ چند آزاد

وطن کے واسطے

کیا ہوا اگر مرگئے اپنے وطن کے واسطے
بلبلیں قربان ہوتی ہیں چمن کے واسطے

ترس آتا ہے تمھارے حال پر اے ہندیو
غیر کے محتاج ہو اپنے کفن کے واسطے

دیکھتے ہیں آج جس کو شاد ہے آزاد ہے
کیا تمھیں پیدا ہوئے رنج و محن کے واسطے

ورد سے اب بلبلانے کا زمانہ ہوگیا
فکر کرنی چاہیے مرض کہن کے واسطے

ہندوؤں کو چاہیے کہ قصد کعبہ کا کریں
اور پھر مسلم بڑھیں گنگ و جمن کے واسطے

✿

○ ماخوذاز ''ضبط شدہ نظمیں''

محمد حسین آزاد

اولوالعزمی کے لیے کوئی سدِ راہ نہیں

ہے سامنے کھلا ہوا میداں چلے چلو
باغ مراد ہے ثمر افشاں چلے چلو
دریا ہو بیچ میں کہ بیاباں چلے چلو
ہمت یہ کہہ رہی ہے کھڑی ہاں چلے چلو

چلنا ہی مصلحت ہے مری جاں چلے چلو

ہیں کوہ و دشت جیسے کہ پھولا پھلا چمن
دامن میں ہیں بھرے ہوئے نسرین و نسترن
نہریں ادھر ادھر ہیں امیدوں کی موجزن
اس دشت میں نہ دوڑ سکو بنکے گر ہرن

کبک دری کی طرح خراماں چلے چلو

آؤ کہ کھولے اپنے نشاں ننگ و نام نے
باندھی کمر ہے کس کے ہر اک شاد کام نے
کیوں اس طرح کمر کو لگے تھک کے تھامنے

دیوار باغ وہ نظر آتی ہے سامنے
سرو سہی کے سر ہیں نمایاں چلے چلو

یارو چلو چلو نہ کرو انتظار تم
کرتے ہو کیا امید یمین و یسار تم
میدان عزم و جزم کے ہو شہسوار تم
بڑھ جاؤ گے کرو گے اگر مار مار تم

چلا رہی ہے ہمت مرداں چلے چلو

ہمت کے شہسوار جو گھوڑے اٹھائیں گے
دشمن فلک بھی ہوں گے تو سر کو جھکائیں گے
طوفان بلبلوں کی طرح بیٹھ جائیں گے
نیکی کے زور اٹھ کے بدی کو دبائیں گے

بیٹھو نہ تم مگر کسی عنواں چلے چلو

آئینہ دل کا گرد سفر سے اجال دو
پوچھے کوئی ارادہ کدھر ہے تو ٹال دو
شیطاں جو شبہ ڈالے تو دل سے نکال دو
ہو خوف کا خیال تو بزدل پہ ڈال دو

اور آپ بن کے شیر نیستاں چلے چلو

رکھو رفاہ قوم پہ اپنا مدار تم
اور ہو کبھی صلے کے نہ امید وار تم
عزت خدا جو دیوے تو پھر کیوں ہو خوار تم
دو رخ کو آب فخر سے رنگ بہار تم

گلشن میں ہو کے باد بہاراں چلے چلو

آؤ سیہ سفید کا فیصل حساب ہے
چمکایا چہرہ صبح نے باآب و تاب ہے
عظمت پہ نور ہونے لگا فتح یاب ہے
اور شب کے پیچھے تیغ بکف آفتاب ہے

تم بھی ہو آفتاب درخشاں چلے چلو

نیکی بدی کے دیر سے باہم تھے معرکے
اب خاتموں پہ آگئے ہیں ان کے فیصلے
قسمت کے یہ نوشتے نہیں جو نہ مٹ سکے
وہ گونجا طبل فتح کہ میدان لے لیے

ہے کرنائے جنگ کی الحاں چلے چلو

✿

○ ماخوذ از ''اردو شاعری کے سو سال'' مرتب علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

آغا

اوتار لے چکے ہیں بانکی کمان والے

محشر بپا کریں گے ہندوستان والے
کچھ متفق ہیں ایسے وید و قرآن والے
کر کے قطع تعلق خود حکمراں بنیں گے
منہ تاکتے رہیں گے سارے جہان والے
کردے گا تہ و بالا یکدم میں چرخ گردوں
زیر زمین ہوں گے نام و نشان والے
اب رک نہیں سکے گی ایسی ہوا چلی ہے
خاموش ہو کے بیٹھیں وہم و گمان والے
جاگے ہیں اب تو گاندھی دکھ درد مٹ رہے گا
اوتار لے چکے ہیں بانکی کمان والے
آغا سنبھل کے رہنا پر جا بگڑ رہی ہے
خانہ خراب ہوں گے محل و مکان والے

❁

○ ماخوذاز ''انقلاب (زندہ باد) کی لہر'' عرف ''طوفان ہند'' فاروقی پریس، سہانپور
''ضبط شدہ ادبیات'' نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 1658، ''آزادی کے ترانے'' (نیشنل میوزیم)

للتا پرشاد اختر سہارنپوری

ترانۂ آزادی

قوم کا درد محبت قوم کے پیاروں میں ہے
ہے وہی آزاد جو ملکی گرفتاروں میں ہے

آتش حب وطن ہے پارہ ہائے قلب میں
قوم کا سوز محبت میرے انگاروں میں ہے

دیکھ اے مصروف راحت دیکھ اے عشرت پسند
تیری رسوائی زمانہ بھر کے بازاروں میں ہے

کیا تیرے دل میں بھی ہے حب وطن درد وطن
تو بھی کیا اس کے گرفتاروں میں بیماروں میں ہے

قوم کی آواز پر لبیک کہہ میداں میں آ
تیرا دعویٰ ہے تو باغیرت ہے، خود داروں میں ہے

گر سعادت مند ہے تو کاٹ اس کی بیڑیاں
مادر ہندوستاں اب بھی گرفتاروں میں ہے

قبضۂ اغیار میں محبوس ہے مجبور ہے

المدد اے اہل ہمت ہند لاچاروں میں ہے

گاہ بزم وعظ میں ہے گاہ بزم رقص میں

تو بھی اختر کس مزے کا آدمی یاروں میں ہے

○ ماخوذ از ''ضبط شدہ نظمیں''، نیشنل میوزیم

اختر شیرانی

اسیران وطن کی یاد میں

خالی جائے گی نہ فریاد پریشان وطن
رنگ لائے گا کبھی خون جوانان وطن

آہ اے گردش ایام کبھوروں کی جگہ
ہیں عزیزان وطن، قیدی زندان وطن

اب تو جھکنا ہی پڑے گا تجھے او پیر فلک
ملک کے نام پہ اٹھے ہیں جوانان وطن

داس نے خون جگر سے اسے سیراب کیا
تشنۂ خون تھی خاک چمنستان وطن

دیکھیں دت اور بھگت سنگھ کی صورت کب تک
ہوں گے پامال خزاں سنبل و ریحان وطن

تم پہ ہے فخر ہمیں گاندھی و نہرو سے سوا
اے عزیزان وطن! مایۂ ایمان وطن

تیغ قاتل کا بھلا ہو کہ ہر اک گوشہ میں
اس نے آباد کیے گنج شہیدان وطن

امتحاں حوصلۂ دل کا نہ لے تو قاتل
سرفروشی کو ہیں آمادہ جوانان وطن

دور زنداں سے ہے پرتم سے نہیں دور اختر
اے اسیران وطن، شان وطن جان وطن

۞

○ ماخوذ از ''آہ بیکس'' عرف ''آزادی کی لہر'' مرتبہ: بھائی شیو پرشاد، کرشنا پرنٹنگ پریس، جگادھری، ''ضبط شدہ ادبیات۔'' نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 1711

واجد علی شاہ اختر

حزن اختر

(منتخب اشعار)

کی عرض ہاتھ جوڑ کے خدمت میں شاہ کی
بندہ کو آرزو نہیں کچھ عزو جاہ کی
زر کی ہوس نہ مال کی ہے جستجو مجھے
پر آرزو جو ہے تو یہی آرزو مجھے
کچھ ایسا میرے واسطے انعام عام ہو
جس سے مرا تمام وطن شاد کام ہو
بولا یہ شاہ اس کا بھی تجھ پر مدار ہے
جو مانگتا ہے مانگ تجھے اختیار ہے
تب عرض کی طبیب نے یوں بادشاہ سے
روشن جلال شاہ ہو خورشید و ماہ سے
تھوڑی زمیں نواحی دریا کنار میں
مجھ کو عطا ہو مملکت شہریار میں
تا اس طرف جو میرے وطن کے جہاز آئیں

اور ان میں تاجران ذوی الامتیاز آئیں
کچھ ان پہ ہوئے راہ نہ بیم و زوال کو
آرام سے اتاریں یہاں اپنے مال کو
اور جنس جو کہ لائیں وہ نزدیک و دور سے
محصول سب معاف ہو اس کا حضور سے

☆

پہلا علاج گرچہ بہت کار گر پڑا
یہ نسخہ لیکن اس سے سوا پر اثر پڑا
اس کی بھی یعنی کلفت غم دور ہوگئی
اور تھی جو کچھ کہ بات وہ منظور ہوگئی
ہر چند اسے نہ فائدہ سیم وزر ہوا
پر نفع بہر اہل وطن کس قدر ہوا
دامن میں اک عطائے خدا داد پڑگئی
اور سلطنت کی ہند میں بنیاد پڑ گئی
نوبت بجا کرے گی سدا صبح و شام کی
آوازیں دیں گے طبل مگر اس کے نام کی

☆

اے آفتاب حب وطن! تو کدھر ہے آج
تو ہے کدھر کہ کچھ نہیں آتا نظر ہے آج

تجھ بن جہاں ہے آنکھوں میں اندھیر ہو رہا
اور انتظام دل زبر و زیر ہو رہا
تجھ بن سب اہل درد ہیں دل مردہ ہو رہے
اور دل کے شوق سینوں میں افسردہ ہو رہے
ٹھنڈے ہیں کیوں دلوں میں ترے جوش ہو گئے
کیوں سب ترے چراغ ہیں خاموش ہو گئے
حب وطن کی جنس کا ہے قحط سال کیوں
حیراں ہوں آج کل ہے پڑا اس کا کال کیوں
کچھ ہو گیا زمانہ کا الٹا چلن یہاں
حب الوطن کے بدلے ہے بغض الوطن یہاں
بن تیرے ملک ہند کے گھر بے چراغ ہیں
جلتے عوض چراغوں کے سینوں میں داغ ہیں
کب تک شب سیاہ میں عالم تباہ ہو
اے آفتاب ادھر بھی کرم کی نگاہ ہو
عالم سے تا کہ تیرہ دلی دور ہو تمام
اور ہند تیرے نور سے معمور ہو مدام
الفت سے گرم سب کے دل سرد ہوں بہم
اور جو کہ ہم وطن ہوں وہ ہمدرد ہوں بہم

تاہو وطن میں اپنے، زر و مال کا وفور
اور مملکت میں دولت و اقبال کا وفور
علم و ہنر سے خلق کو رونق دیا کریں
اور انجمن میں بیٹھ کے جلسے کیا کریں

لبریز جوش حب وطن سب کے جام ہوں
سرشار ذوق و شوق دل خاص و عام ہوں

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی

اتحاد

جب تک کہ سبق ملاپ کا یاد رہا
بستی میں ہر اک شخص دل شاد رہا
جب رشک وحسد نے پھوٹ ان میں ڈالی
دونوں میں سے ایک بھی نہ آباد رہا

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

شہید کاکوری اشفاق اللہ خاں کی آخری نظم

(یہ نظم شہید اشفاق اللہ خاں نے گرفتار ہونے سے پانچ دن پہلے لکھی تھی)

بہار آئی ہے شورش ہے جنون فتنہ ساماں کی
الٰہی خیر رکھنا تو مرے جیب و گریباں کی

بھلا جذبات الفت بھی کہیں مٹنے سے مٹتے ہیں
عبث ہیں دھمکیاں دار و رسن کی اور زنداں کی

وہ گلشن جو کبھی آزاد تھا گذرے زمانے میں
میں ہوں شاخ شکستہ ہاں اسی اجڑے گلستاں کی

نہیں تم سے شکایت ہم صفیران چمن مجھ کو
مری تقدیر ہی میں تھا قفس اور قید زنداں کی

زمیں دشمن، زماں دشمن، جو اپنے تھے پرائے ہیں
سنو گے داستاں کیا تم مرے حال پریشاں کی

یہ جھگڑے اور بکھیڑے میٹ کر آپس میں مل جاؤ
عبث تفریق ہے تم میں یہ ہندو اور مسلماں کی

سبھی سامان عشرت تھے مزے سے اپنی کٹتی تھی
وطن کے عشق نے ہم کو ہوا کھلوائی زنداں کی

بحمداللہ چمک اٹھا ستارہ میری قسمت کا
کہ تقلید حقیقی کی عطا شاہ شہیداں کی

ادھر خوف خزاں ہے آشیاں کا غم ادھر دل کو
ہمیں یکساں ہے تفریح چمن اور قید زنداں کی

✿

○ ماخوذ از ماہنامہ رسالہ ''کرتی''، امرتسر، مئی 1930، ''ضبط شدہ ادبیات'' نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 2642
''آزادی کے ترانے'' نیشنل میوزیم

اظہر امرتسری

شہادت کی تمنائیں

غلامی کیا ہے اک تصویر ہے انساں کی ذلت کی
یہی ذلت محافظ ہے ستم رانوں کی عزت کی

جہاں توہین کرتے ہیں حقوق آدمیت کی
اسی بستی میں ہوتی ہے شکست احکام فطرت کی

اگر ہے دیکھنا تصویر جور قیصریت کی
تو دیکھو غور سے حالت مری محکوم ملت کی

زمین دہلی و لاہور کہتی ہے سن اے ہندی
مرے ہر ایک ذرہ میں ہے تربت تیری حسرت کی

جہاں چرخ وطن پر چھا رہا ہو ابر محکومی
دکھائی دے وہاں کیا شکل مہر آدمیت کی

وہ ہنگامہ بد امن بھی ہوں لیکن دب ہی جائے گی
فغان اہل محنت سے نوائیں ساز دولت کی

ہمارے جوش آزادی کے پردے میں ہے وہ جذبہ
نہاں ہیں جس کے دامن میں تمنائیں شہادت کی

✿

○ ماخوذ از، ماہنامہ رسالہ ''کرتی'' امرتسر، مارچ 1930 ضبط شدہ ادبیات، نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 2645
''آزادی کے ترانے'' نیشنل میوزیم

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

جذبۂ حریت

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا

دکھادوں گا میں اے ہندوستاں رنگ وفا سب کو
کہ اپنی زندگی کو تجھ پہ قرباں کر کے چھوڑوں گا

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تری ظلمت میں میں روشن چراغاں کے کر چھوڑوں گا

نہیں بے وجہ وحشت میں اڑانا خاک زنداں کا
کہ میں اس خاک سے پیدا بیاباں کر کے چھوڑوں گا

شریک محنت زنداں ہوں گو یوسف صفت خود بھی
مگر تعبیر خواب اہل زنداں کر کے چھوڑوں گا

مگر غنچوں کی صورت ہوں دل درد آشنا پید
چمن میں مشت خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

ابھی مجھ دل جلے کو ہمصفیرو اور رونے دو
کہ میں سارے چمن کو شبنمستاں کر کے چھوڑوں گا

مجھے اے ہمنشیں رہنے دے شغل سینہ کاوی میں
کہ میں داغ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
اگر آپس میں لڑنا آج کل کی ہے مسلمانی
مسلمانوں کو آخر نا مسلماں کر کے چھوڑوں گا
اٹھا دوں گا نقاب عارض محبوب یک رنگی
تجھے اس خانہ جنگی پر پشیماں کر کے چھوڑوں گا
دکھادوں گا جہاں کو جو مری آنکھوں نے دیکھا ہے
تجھے بھی صورت آئینہ حیراں کر کے چھوڑوں گا

جو تیرا درد تھا تا کا ہے اس نے میرے پہلو کو
تری افتاد نے توڑا ہے میرے دست و بازو کو

۞

○ ماخوذ از ''بانگ درا'' علامہ سر محمد اقبال 1924، ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آب رود گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روماں سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دور زماں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

۞

○ ماخوذ از ''بانگ درا'' علامہ سر محمد اقبال 1924، ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کردیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیرے سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے

میر عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا
نوح نبی کا آکر ٹھیرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

✡

○ ماخوذ از ''بانگ درا'' علامہ سر محمد اقبال 1924، ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہوگئے پرانے
اپنے سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ وجدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنادیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ

دامان آسماں سے اس کا کلس ملادیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

○ ماخوذ از ''بانگ درا'' از علامہ سر محمد اقبال 1924، ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

شعاعِ امید

سورج نے دیا اپنی شعاعوں کو یہ پیغام
دنیا ہے عجب چیز کبھی صبح کبھی شام
مدت سے تم آوارہ ہو پہنائے فضا میں
بڑھتی ہی چلی جاتی ہے بے مہری ایام
نے ریت کے ذروں پہ چمکنے میں ہے راحت
نے مثل صبا طوف گل و لالہ میں آرام
پھر میرے تجلی کدۂ دل میں سما جاؤ
چھوڑو چمنستان و بیابان و در و بام

☆

آفاق کے ہر گوشے سے اٹھتی ہیں شعاعیں
بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش
اک شور ہے مغرب میں اجالا نہیں ممکن
افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش
مشرق نہیں گو لذت نظارہ سے محروم

لیکن صفت عالم لاہوت ہے خاموش
پھر ہم کو اسی سینۂ روشن میں چھپا لے
اے مہر جہاں تاب نہ کر ہم کو فراموش

☆

اک شوخ کرن شوخ مثال نگہ حور
آرام سے فارغ صفت جوہر سیماب
بولی کہ مجھے رخصت تنویر عطا ہو
جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب
چھوڑوں گی نہ میں ہند کی تاریک فضا کو
جب تک نہ اٹھیں خواب سے مردان گراں خواب
خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبال کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب
چشم مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک کہ جس کا ہے خزف ریزہ درناب
اس خاک سے اٹھے ہیں وہ غواص معانی
جن کے لئے ہر بحر پر آشوب ہے پایاب
جس ساز کے نغموں سے حرارت تھی دلوں میں
محفل کا وہی ساز ہے بیگانۂ مضراب

بت خانے کے دروازے پہ سوتا ہے برہمن
تقدیر کو روتا ہے مسلماں تہ محراب

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا تقاضا ہے کہ ہر شب کو سحر کر

۞

○ ماخوذ از ''ضرب کلیم'' از علامہ سر محمد اقبال 1924، ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

اکبر الہ آبادی

مہاتما گاندھی

مدخولۂ گورنمنٹ اکبر اگر نہ ہوتا
اس کو بھی آپ پاتے گاندھی کی گوپیوں میں

(ماخوذ از ''بزم اکبر'' از قمرالدین احمد بدایونی)

بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں
گو خاک راہ ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

(ماخوذ از ''بزم اکبر'' از قمرالدین احمد بدایونی)

۞

اکبر الٰہ آبادی

گاندھی نامہ (انتخاب)

انقلاب آیا نئی دنیا نیا ہنگامہ ہے
شاہ نامہ ہو چکا اب دور گاندھی نامہ ہے

☆

سن لو یہ بھید ملک جو گاندھی کے ساتھ ہے
تم کیا ہو صرف پیٹ ہو وہ کیا ہے ہاتھ ہے

☆

لشکر گاندھی کو ہتھیاروں کی کچھ حاجت نہیں
ہاں مگر بے انتہا صبر و قناعت چاہیے

☆

کیوں دل گاندھی سے صاحب کا ادب جاتا رہا
بولے کیوں صاحب کے دل سے خوف رب جاتا رہا

☆

آپ کیوں اپنا خطاب اے خان واپس کیجیے
خود انھیں سے کہیے میری شان واپس کیجیے

واپسی آنر کی جھگڑا ختم کر سکتی نہیں
لوگ کہتے ہیں خدا کو جان واپس کیجیے

☆

بھائی گاندھی کا نہایت ہی مقدس کام ہے
رامپوری ساتھ ہیں اور رام ہی کا نام ہے
نام میں گاندھی کے ہے دلچسپ صنعت یہ نہاں
ان بھی اس میں گائے بھی اس میں دہی بھی گھی بھی ہے

○ ماخوذ از "گاندھی نامہ" کتابستان الٰہ آباد 1948۔ اگرچہ یہ کتاب 1948 میں چھپی لیکن ظاہر ہے کہ سب کلام 1921 کے پہلے کا ہے۔

گوپی ناتھ امن

نوائے آزادی

عجیب لوگ ہیں یہ حریت کے دیوانے
جو قید خانے کو سمجھے مکان آزادی
اندھیری رہتی ہے دائم غلام کی دنیا
تجلیات سے پر ہے جہان آزادی
جو سو رہے تھے وہ سب جاگ اٹھے، اچٹ گئی نیند
جو ہم سنانے لگے داستان آزادی
بہ یک نگاہ بہ یک لفظ کردہ اعجازے
غلام ہمت آں پاسبان آزادی

ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

انور

ہندوستان

آزاد ہوگا اب تو ہندوستاں ہمارا بیدار ہو رہا ہے ہر نوجواں ہمارا
آزاد ہوگا ہوگا ہندوستاں ہمارا ہے خیر خواہ بھارت خورد و کلاں ہمارا
وہ سختیاں فلک کی بے آب و دانہ رہنا قیدی کا پھر یہ کہنا ہندوستاں ہمارا
اک قتل سانڈرس پر دینی سزائیں اس کو روتا ہے لاجپت کو ہندوستاں ہمارا
بیڑا اٹھا لیا ہے آزادیوں کا ہم نے جنت نشاں بنے گا ہندوستاں ہمارا
سوز سخن سے اپنے مجنوں ہمیں بنادے بچوں کی ہو زباں پر ہندوستاں ہمارا

اک بار پھر یہ نغمہ انور ہمیں سنادے
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

○ ماخوذ از تھر تھل، لاہور 1930، "ضبط شدہ نظمیں"، نیشنل میوزیم

مہاراج بہادر برق

جنت سے بھی عزیز ہے خاک وطن مجھے

مر کر ملی ہے چادر خاک وطن مجھے
مٹی نے اس زمیں کی دیا ہے کفن مجھے

بھارت کی گرد راہ ہے مشک ختن مجھے
جنت سے بھی عزیز ہے خاک وطن مجھے

چپ لگ گئی ہے اب نہیں تاب سخن مجھے
مہر دہن ہے تیری جبیں کی شکن مجھے

چشم کرم ہے تجھ سے بت تیغ زن مجھے
روٹھی ہوئی نگاہ نہیں دل شکن مجھے

راس آئے کیا فراق میں سیر چمن مجھے
غنچے دکھا رہے ہیں جبیں پر شکن مجھے

مٹ مٹ کے گرد راہ وطن بن رہا ہوں میں
پیسے ہزار گردش چرخ کہن مجھے

اکسیر ہے نظر میں مری خاک پاک ہند
اجڑا ہوا دیار ہے فخر زمن مجھے

سوز و گداز غم کا ہوں افسانۂ خموش
سمجھو برنگ ساز سراپا سخن مجھے

میں غنچۂ فسردہ ہوں گلزار دہر میں
باد بہار کر نہ سکی خندہ زن مجھے

لیتا ہوں حادثات زمانہ سے میں سبق
عبرت کا ہے مقام یہ دار المحن مجھے

میں ہو گیا ہوں گردش دوران کارزار
اب انقلاب دہر نہیں دل شکن مجھے

چکرا رہا ہوں گردش چرخ کہن سے میں
مل جائے کاش فرصت یکدم زدن مجھے

پھر تیری خاک سرمۂ اہل نگاہ ہو
اے ہند پھر دکھا وہی شان کہن مجھے

کعبہ میں بت کدہ میں کلیسا میں دہر میں — ہر جا نظر پڑا وہی جلوہ فگن مجھے

مقتل میں برق مجھ سے کشیدہ ہے تیغ یار

تڑپا رہی ہے درد سے بانکی دلہن مجھے

✡

○ ماخوذ از ''آہ بیکس'' عرف ''آزادی کی لہر'' مرتبہ: شیو پرشاد، کرشنا پرنٹنگ پریس، جگادھری ''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 1711 ''آزادی کے ترانے''، نیشنل میوزیم

کنور ہری سنگھ جری

کہیں پیچھے نہ ہٹنا مردِ میدانِ وفا ہو کر

اٹھو اے نوجوانو! جوشِ رحمت کی گھٹا ہو کر
جگا دو غافلانِ ہند کو بانگِ درا ہو کر
تمھاری منتظر ہے شوکت و توقیرِ مستقبل
امر ہو جاؤ آزادیٔ بھارت پر فدا ہو کر
پھر آئی ہے منانے کے لیے اس دور میں تم کو
وہ آزادی جو تم سے روٹھ بیٹھی تھی خفا ہو کر
قدم جو بڑھ چکا ہے، اور بڑھنا چاہیے آگے
کہیں پیچھے نہ ہٹنا مردِ میدانِ وفا ہو کر
غلط ثابت کرو یہ قول دیکھو لوگ کہتے ہیں
کہ آزادی کا چرچا رہ گیا اک تذکرہ ہو کر
نہ دیں اغیار طعنے عزم کی ناکامیابی پر
کہ بچوں کا تماشہ تھا، ہوا اور رہ گیا ہو کر
یہ جذبہ جو ہوا ہے از سرِ نو ملک میں پیدا
سمجھ لو کچھ نہ کچھ اس کا رہے گا فیصلہ ہو کر

کوئی حد بھی ہے آخر جو رو استبداد کی صاحب
کوئی کب تک رہے خاموش مجبور جفا ہوکر
طلسم سامری کو توڑ ڈالو اپنی قوت سے
سرفرعون پر دو ضرب موسیٰ کا عصا ہو کر
بتادو ہم وہی ہیں جن سے لرزاں سارا عالم تھا
کرو آزاد اب بھارت کو وقف معرکہ ہوکر
اگر احساس ہے کچھ تم کو زندان غلامی کا
تو زنجیر غلامی توڑ دو نکلو رہا ہوکر

○ ماخوذ از ''آہ بیکس'' عرف ''آزادی کی لہر'' مرتبہ: شیو پرشاد، کرشنا پرنٹنگ پریس، جگادھری ''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 1711، ''آزادی کے ترانے'' نیشنل میوزیم

جمیل مظہری

بھارت ماتا

ماتا، ماتا پیاری ماتا
بچے تجھ پر واری ماتا

او ماتا ! او بھارت ماتا تجھ پہ خدا کی رحمت ماتا
سندری تو ہریالی تو ہے دھانی آنچل والی تو ہے
پھول کھلائیں تیری ہوائیں ہن برسائیں تیری گھٹائیں
شہد کی نہریں دودھ کی دھاریں گودی میں جنت کی بہاریں
میٹھے میٹھے پھل دیتی ہے ان دیتی ہے جل دیتی ہے
کنگن اور چوڑی کی جھناجھن شاعر کے دل کی ہر دھڑکن
نام ترا جپتی ہے ماتا تو کتنی پیاری ہے ماتا
چاندنی راتوں کے جلوے میں بندرابن کے سناٹے میں
جب تاروں کی سبھا بجتی ہے ہر دے کی بنسی بجتی ہے
آدھی رات کو کالی کوئل موسم کی متوالی کوئل
پھیلتی ہے جب آم کی خوشبو گیت ترا گاتی ہے کوکو
جگ دیتا ہے تجھ کو دعائیں ہم تیرا گن کس طرح نہ گائیں
ہے مشہور تری مہمانی پورب پچھّم تیری کہانی

تبریزی طوسی شیرازی مصری، رومی اور حجازی
ارمنی چینی، جاپانی پی کر تیرا میٹھا پانی
ہوگئے سوجی جان سے تیرے ڈال دیے گنگا پر ڈیرے
گھر کو چھوڑا در کو چھوڑا تجھ سے اپنا ناتہ جوڑا
تو نے انھیں گودی میں اٹھایا پالا اور پروان چڑھایا
تیرا گھر ہے سب کو پیارا سر اونچا کیوں ہو نہ ہمارا
سب کی ماتا ہماری ماتا
پیاری ماتا پیاری ماتا

جگ ماتا بھارت مہرانی ستونتی، دھنونتی، گیانی
تجھ پہ سلام اے سوہنی ماتا جگ ماتا، جگ موہنی ماتا
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی تیری گود میں بھائی بھائی
چھینٹوں میں تیرے بادل کے سایے میں تیرے آنچل کے
مسجد، گرجا اور شوالہ لنکا سے تا کوہ ہمالہ
گنگا اور جمنا کی روانی کہتی ہے ماتا تیری کہانی
امریکہ کے ایوانوں میں افریقہ کے میدانوں میں
مصر و عجم کے بازاروں میں یورپ کے دولت زاروں میں
ملک عرب کی پاک فضا میں مکے کے تپتے صحرا میں
تیری سبیلیں جاری ماتا
پیاری ماتا پیاری ماتا

او دیالو ماں، او دانی ماں ستونتی ماں، کلیانی ماں
آنچل میں تیرے ہن برسیں اور ترے بچے ان کو ترسیں
من کے روگی پیٹ کے مارے جیتے ہیں غیروں کے سہارے
ذلت، رسوائی، بدنامی سو دھتکاریں ایک غلامی
کیسی ہوا پچھّم سے آئی جل گئی تیری کھیتی مائی
ویرانی ہر سمت برستی اجڑی نگری سونی بستی
کیا ہوئیں وہ معمور فضائیں دولت کی بہتی گنگائیں
نورتنی دربار کہاں ہے پرتابی تلوار کہاں ہے
ماں تیری تقدیر ہے کیسی ہاتھوں میں زنجیر ہے کیسی
ہاتھ بندھے ہیں بال کھلا ہے مانگ اجڑی ہے سر ننگا ہے
وہ تیموری تاج کہاں ہے چندر بنسی راج کہاں ہے
مکھڑا کیوں میلا میلا ہے کاجل کیوں پھیلا پھیلا ہے

آنسو کیوں ہیں جاری ماتا
پیاری ماتا پیاری ماتا

آ، ہم تیرے بال سنواریں تجھ پر اپنی جانیں واریں
سیس ترے چرنوں پہ نوائیں پیت کے میٹھے منتر گائیں
قومیت کی کڑیاں جوڑیں لعنت کی زنجیر توڑیں
نام ترا لے لے کے پکاریں سوتی غیرت کو للکاریں

پیاری ماں من کیوں میلا کر — سر اونچا کر اور اونچا کر
دیکھ اپنے بچوں کا لشکر — ٹھاٹھیں لے جس طرح سمندر
دیکھ کھڑے ہیں تیرے .پاہی — رخ پہ جلال شاہنشاہی
جننا ان کو کیوں نہ دعا دے — چتون سے ظاہر ہیں ارادے
لہراتا ہے ہاتھ میں جم جم — ماں تیرے اقبال کا پرچم
جب کہتے ہیں جے ماتا کی — دنیا گونج اٹھتی ہے خدا کی
ماتا تیرے دودھ کی دھاریں — کیوں نہ رگوں میں موجیں ماریں
گھر کو تجے تن من کو تیاگے — نعرے ہیں آکاش سے آگے
جیوٹ ہیں یہ جیالے ہیں یہ — تیری گود کے پالے ہیں یہ
تیرے لیے جانوں پر کھیلے — لے لے ان کی بلائیں لے لے
یہ تجھ کو آزاد کریں گے — گھر تیرا آباد کریں گے

مت رو اے دکھیا ری ماتا

پیاری ماتا پیاری ماتا

یاد ہے ماں وہ تیرا زمانہ — تخت شہانہ، تاج شہانہ
گرد ترے بھگتوں کی قطاریں — ہاتھوں میں ننگی تلواریں
کیا ہوئے ماں وہ تیرے جیالے — ٹیڑھی ترچھی پگڑی والے
کاندھے جن کے تخت کے پائے — پرجا پر بھگوان کے سائے
طوفانوں کو جھیلنے والے — موت سے اپنی کھیلنے والے
نظریں اس منظر کی پیاسی — آنکھوں میں ہے جنگ پلاسی

یاد ہیں وہ چلتی تلواریں وہ جھنکاریں وہ للکاریں
سینے تانے تیرے پیارے جی کو توڑے جان کو ہارے
گونجے، گرجے برسے کڑکے مر گئے تیرے نام پہ لڑکے
گونگی دنیا بول رہی ہے دھرتی اب تک ڈول رہی ہے
للکاریں اس گونجتے رن کی موہن لال اور میر مدن کی
ہیں اب تک بے چین فضا میں بھٹکی پھرتی ہیں صحرا میں
ٹکراتی رہتی ہیں دلوں سے جیسے ہوا اٹھے پودوں سے
ماں وہ تیرے کھوکھ کے بچے دھن کے پکے قول کے سچے
ہو گئے تیری لاج پہ قرباں تیرے مقدس تاج پہ قرباں

اب ہے ہماری باری ماتا

ماتا ماتا پیاری ماتا

او ماتا، گوتم کی ماتا ارجن اور بھیشم کی ماتا
ٹیپو کی ماں، اکبر کی ماں ستونتی ماں، بلونتی ماں
شکتی تجھ سے ست تجھ سے ہے مت تجھ سے ہمت تجھ سے ہے
شورش دے، سودا دے، سر دے دل کا دیا پھر روشن کر دے
دار و رسن کا کھیل سکھا دے نام پہ اپنے بھینٹ چڑھا دے
ٹیپو اور پورس پیدا کر ایک اٹھے تو دس پیدا کر
دیس کا ہر سیوک ہو آندھی ہر بچہ آزاد اور گاندھی

ہر پتری ہو سروجنی مائی　　ہر مائی ہو لکشمی بائی

ہر دل میں اک طوفاں کر دے　　شعلہ بھر دے، بجلی بھر دے

جی میں اپنے لگن پیدا کر　　من اجلا کر، تن اجلا کر

جیون دے، جیون کا پھل دے　　شکتی دے، ہمت دے، بل دے

زنجیریں ہیں بھاری ماتا

پیاری ماتا پیاری ماتا

ماتا، ماتا، پیاری ماتا　　بچے تجھ پر واری ماتا

۞

○ ماخوذ از ''ہندوستان ہمارا''، جلد دوم، ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

پنڈت برج نرائن چکبست

جوش جوانی

حکم حاکم کا ہے فریاد زبانی رک جائے
دل کی بہتی ہوئی گنگا کی روانی رک جائے
قوم کہتی ہے ہوا بند ہو پانی رک جائے
پر یہ ممکن نہیں اب جوش جوانی رک جائے

ہوں خبردار جنھوں نے یہ اذیت دی ہے
کچھ تماشا یہ نہیں قوم نے کروٹ لی ہے

ہوچکی قوم کے ماتم میں بہت سینہ زنی
اب ہو اس رنگ کا سنیاس، ہے یہ دل میں ٹھنی
مادر ہند کی تصویر ہو سینے پہ بنی
بیڑیاں پیر میں ہوں اور گلے میں کفنی

ہو یہ صورت سے عیاں، عاشق آزادی ہیں
قفل ہے جن کی زباں پر یہ وہ فریادی ہیں

آج سے شوق وفا کا یہی جوہر ہوگا
فرش کانٹوں کا ہمیں پھولوں کا بستر ہوگا

پھول ہوجائے گا چھاتی پہ جو پتھر ہوگا
قید خانہ جسے کہتے ہیں وہی گھر ہوگا
سنتری دیکھ کے اس جوش کو شرمائیں گے
گیت زنجیر کی جھنکار پہ ہم گائیں گے
جس میں سودائے محبت تھا وہ سر باقی ہے
رات اندھیری ہے مگر یاد سحر باقی ہے
دل کے ہر زخم میں فریاد کا در باقی ہے
قوم بیدار کے سینے میں جگر باقی ہے
دل دہلتے نہیں زنداں میں گرفتاروں کے
بیڑیاں ڈھونڈتے ہیں پاؤں وفاداروں کے

○ ماخوذاز "ہفتہ وار پیام جنگ" لاہور 26 فروری 1930 "ضبط شدہ ادبیات" نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 2588۔
"آزادی کے ترانے" نیشنل میوزیم

خورشید

غزل

وہ دن بھی آئے گا جب پھر بہار دیکھیں گے
غریب ہند کو ہم تاجدار دیکھیں گے

گھڑی وہ دور نہیں اے وطن کے شیداؤ
کہ ملک ہند کو پھر پر بہار دیکھیں گے

عدو کی سختیاں الٹا اثر دکھائیں گی
وہ غافلوں کو پھر اب ہوشیار دیکھیں گے

بڑھے چلو اے جوانو فتح ہماری ہے
وطن کو جلد ہی با اختیار دیکھیں گے

حریف سختیاں کر کر کے ہار جائے گا
گلے میں گاندھی کے نصرت کا ہار دیکھیں گے

ملے گا ہند کو سوراج ایک دن خورشید
خزاں کو دیکھنے والے بہار دیکھیں گے

۞

انقلاب کی لہر عرف طوفان ہند
○ ماخوذ از ''ضبط شدہ نظمیں''

درگا سہائے سرور جہان آبادی

مغرب زدگی

وہ بزم ہے نہ وہ ساقی نہ وہ مئے گلرنگ
وہ ساز ہے نہ وہ مطرب نہ شور نغمۂ چنگ
نئے نئے نظر آتے ہیں روز و شب البم
نئے نئے ہیں مناظر نئے نئے نیرنگ
مسوں کی آنکھوں نے افسوں کچھ ایسا پھونک دیا
کہ بت سے ہم نظر آتے ہیں سیکڑوں فرسنگ
وہ لیڈیوں کے خدنگ نظر سے اب ہیں شہید
جو دل حسینوں کی تیغ ادا سے تھے چورنگ
ہوامیں ہو کوئی بیلون جس طرح اڑتا
اڑاتے پھرتے ہیں یوں دل پری وشان فرنگ
یہ سادگی نے کیا خون رنگ آرائش
کہ مہندی پھیکی ہے لاکھا ہے پان کا بدرنگ
زباں سے گو نہ کہیں کھل کے شرم سے لیکن
حجاب و پردہ ہے اب مہ وشوں کو باعث ننگ

نہ اب وہ جبہ و دستار ہے نہ شان قبا
کہ سر پہ ہیٹ ہے زیب بدن ہے جاکٹ تنگ
مسوں کا ذکر ہے، کہتے ہیں کس کو صوم و صلوٰۃ
وضو کے بدلے ہے ہوٹل میں بادۂ گلرنگ
نہ بت کدے میں وہ ناقوس کی صدائیں ہیں
نہ لہر اگلی سی اشنان کی ہے اب لب گنگ
سبق پڑھایا ہے تعلیم نے ہمیں الٹا سو
اٹھا کے طاق پہ رکھ دی ہے عقل کی فرہنگ

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

سید مطلبی فرید آبادی

جدوجہد آزادی

پہلا دور 1919-1921

اک دو کیسے لاکھ ہزار کون کرے ان کا شمار
ابل پڑے سگرے نرنار ایکا ہے ان کا ہتھیار
گھبرائی گوری سرکار بھارت جاگا، مچی پکار

☆

ہندو مسلم اور عیسائی سب کہویں ہم بھائی بھائی
جو توڑے اپنی اکتائی اس کو سمجھو نپٹ قصائی
کتا ہے اسے دو دھتکار بھارت جاگا ، مچی پکار

☆

محمد علی کے نعرے ہیں گاندھی کے جیکارے ہیں
پریم کے ابلے دھارے ہیں جھنجلائے ہتیارے ہیں
لے کر جھپٹے چھری کٹار بھارت جاگا ، مچی پکار

☆

دیش لہو سے ہوتی ہولی   شہر شہر میں چلتی گولی
پیتی لہو دھرتی ہے پولی   بھارت ماں کی بھر دی جھولی
گاؤں بچے نہ ہاٹ بزار   بھارت جاگا مچی پکار

☆

پھر پنھائے جھاجھن کالے   تھک پر دشمن ہتیارے
ٹوٹن لاگے بندھن سارے   نئے چاند کے کردرشن پیارے
گونجن لاگے من کے تار   بھارت جاگا، مچی پکار

☆

گھبرائی گوری سرکار   کتا ہے اسے دو دھتکار
لے کر جھپٹے چھری کٹار   گاؤں بچے نہ ہاٹ بزار
گونجن لاگے من کے تار   بھارت جاگا، مچی پکار
بھارت جاگا، مچی پکار

☆

دوسرا دور 1930

ہزار الجھنیں سہی   ہزار کاوشیں سہی
ہزار دشت خار دار   فلک کی گردشیں سہی
ہے وقت کی یہی صدا   اٹھو، بڑھو، چلو، چلو

☆

یہ باہمی عداوتیں   نہیں نہیں رقابتیں

یہ کش مکش ہے زندگی ۔ نہ سمجھو ان کو آفتیں
کہو نہ کچھ برا بھلا ۔ اٹھو، بڑھو، چلو، چلو

☆

اٹھا نہیں خمیر ابھی ۔ بنا نہیں ضمیر ابھی
رگوں کا خون ست سا ۔ تپا نہیں سریر ابھی
بڑھو تو طے ہو مرحلہ ۔ اٹھو، بڑھو، چلو، چلو

☆

ہچر مچر ہے موت اب ۔ ٹھٹک لچک ہے موت اب
پلٹنا پیچھے دیکھنا ۔ ہر اک اٹک ہے موت اب
کٹھن ہو لاکھ راستہ ۔ اٹھو، بڑھو، چلو، چلو

☆

قدم کو ہے قرار، موت ۔ وفا سے ہے فرار، موت
سکون اب فریب ہے ۔ ہے اس کا لالہ زار موت
نہ دیکھو اپنے نقش پا ۔ اٹھو، بڑھو، چلو، چلو

☆

تیسرا دور 1945

☆

ہزار لاکھ ہوں ستم ۔ جھکیں گے کس طرح سے ہم
وہاں سے یاں تک آلیے ۔ سفر ہو لاکھ بیش و کم

رکیں گے کس طرح سے ہم   اٹھے قدم، بڑھے قدم
اٹھے قدم ، بڑھے قدم

نظر میں کل جہان ہے   اور عزم نوجوان ہے
عجب ہے اپنی عاشقی   کہ ہند اپنی جان ہے
عزیز ہیں عرب عجم   اٹھے قدم، بڑھے قدم
اٹھے قدم ، بڑھے قدم

صحیح اگر شعور ہو   تو غیب بھی حضور ہو
یہ وقت کی پکار ہے   ہر اختلاف دور ہو
یہ ہند پھر سے لے جنم   اٹھے قدم، بڑھتے قدم
اٹھے قدم ، بڑھے قدم

تمام جال توڑ کر   حماقتوں کو چھوڑ کر
حریف نابکار کی   کلائیاں مروڑ کر
بلند اپنے ہوں علم   اٹھتے قدم، بڑھے قدم
اٹھے قدم ، بڑھے قدم

ہزار لاکھ ہوں ستم   رکیں گے کس طرح سے ہم
عزیز ہیں عرب عجم   یہ ہند پھر سے لے جنم
بلند اپنے ہوں علم   اٹھے قدم، بڑھے قدم
اٹھے قدم ، بڑھے قدم

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ 1959

سید مقبول حسین

اے حریت کی دیوی! ہندوستان آجا

نعروں میں غازیوں کے نغموں میں شاعروں کے
خطبوں میں واعظوں کے اشکوں میں زاہدوں کے
اے حریت کی دیوی ! ہندوستان آجا

ہے تجھ سے ہم کو الفت دل کو ہے تیری حسرت
ہے غیر اپنی حالت اس وقت ہے ضرورت
اے حریت کی دیوی ! ہندوستان آجا

جوش فرنگ تجھ سے سب صلح و جنگ تجھ سے
ساری امنگ تجھ سے سب راگ ورنگ تجھ سے
اے حریت کی دیوی ! ہندوستان آجا

ناقوس کی فغاں میں آوارۂ اذاں میں
گلشن میں گلستاں میں ہاں ہاں اسی خزاں میں
اے حریت کی دیوی ! ہندوستان آجا

نہرو کی التجا میں آزاد کی صدا میں
گاندھی کی آتما میں اور ہند کی دعا میں

اے حریت کی دیوی ! ہندوستان آجا

رحمت کا ابر چھایا، حق نے یہ دن دکھایا

اپنا بھی وقت آیا آزاد کر خدایا

اے حریت کی دیوی ! ہندوستان آجا

٭

○ ماخوذ از ماہنامہ رسالہ "کرتی"، امرتسر، اپریل 1930 "ضبط شدہ ادبیات"۔ نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 2331

شمیم کرہانی

پاکستان چاہنے والوں سے

ہم کو بتلاؤ تو کیا مطلب ہے پاکستان کا
جس جگہ اس وقت ہیں مسلم نجس ہے کیا وہ جا؟
وہ ہمارے پیشوا جو فرد تھے ایمان میں
ان کے مدفن بن گئے کیا غیر پاکستان میں؟
نیش تہمت سے ترے، چشتی کا سینہ چاک ہے
جلد بتلا کیا زمیں اجمیر کی ناپاک ہے؟
کفر کی وادی میں ایماں کا نگینہ کھو گیا
ہائے کیا خاک نجس میں شاہ مینا سو گیا؟
گلشن گردوں رہے جس سبز پھلواری کی دھاک
کیا نجس ہے اس کی خاک پاک تیرے منھ میں خاک
دین کا مخدوم جو کلیر کی آبادی میں ہے
آہ اس کا آستانہ کیا نجس وادی میں ہے؟
ہیں اماموں کے جو روضے لکھنؤ کی خاک پر
بن گئے کیا توبہ توبہ خطۂ ناپاک پر؟

بات یہ کیسی کہی تونے کہ دل نے آہ کی
کیا زمیں طاہر نہیں درگاہ نور اللہ کی؟
واعظ اپنے منبر مسجد پہ جو گل بیز تھے
آہ کیا وہ دامن آلودہ تھے کفر آمیز تھے؟
آہ اس پاکیزہ گنگا کو نجس کہتا ہے تو
جس کے پانی سے کیا مسلم شہیدوں نے وضو
نام پاکستاں نہ لے گر تجھ کو پاس دین ہے
یہ گذشتہ نسل مسلم کی بڑی توہین ہے

ٹکڑے ٹکڑے کر نہیں سکتے وطن کو اہل دل
کس طرح تاراج دیکھیں گے چمن کو اہل دل

گر وطن میں چھوٹی چھوٹی سی ریاست بن گئی
پھر تو یہ سمجھو کہ انگریزی حکومت بن گئی
پارہ پارہ ہوکے یورپ آگیا ہے زیر دام
ہر ریاست ہے عرب کی شاہ لندن کی غلام
کیا یہ مطلب ہے کہ ہم محروم آزادی رہیں
منقسم ہوکر عرب کی طرح فریادی رہیں
دس کرور اسلام کے لخت جگر در در پھریں
کوچۂ انگریز میں کھاتے ہوئے ٹھوکر پھریں

خم کریں حاکم کی چوکھٹ پر وہ عزت کی جبیں
جو سوائے سجدۂ خالق کہیں جھکتی نہیں
پائے باطل آہ کھیلے اس کلاہ ناز سے
جس کو احمد نے پنہایا تھا عجب انداز سے
سرور کونین جس کو درجۂ ممتاز دے
لے کے وہ کاسہ دیار غیر میں آواز دے
جس کو سینچے خوں نبی کے لاڈلے گلفام کا
باغباں انگریز ہو اس گلشن اسلام کا
سر بلندی پائے جو کار گرامی کے لیے
سرنگوں ہوجائے وہ امت غلامی کے لیے
ٹکڑے ٹکڑے ہو کے مسلم خستہ دل ہوجائے گا
نخل جمعیت سراسر مضمحل ہوجائے گا

۞

سردار نوبہار سنگھ صابر ٹوہانی

پیامِ بیداری

اٹھو نوجوانو ! اٹھو نوجوانو!

اٹھو چشمِ غفلت ذرا مل کے دیکھو دگرگوں ہے حالت اٹھو چل کے دیکھو

نئے ولولے ہیں

نئے حوصلے ہیں

نئے دور کے سب جواں منچلے ہیں

اٹھو ان جوانوں کا پیغام سن لو نہیں ہے یہ ہنگامِ آرام سن لو

اٹھو نوجوانو ! اٹھو نوجوانو!

دلیرو اٹھو وقت ہے امتحاں کا اٹھو توڑ کر جال خوابِ گراں کا

یہ غفلت بری ہے

یہ عادت بری ہے

خدا جانتا ہے یہ حالت بری ہے

اٹھو نوجوانو ! اٹھو نوجوانو!

اٹھو انتہا ہوگئی بے دلی کی اٹھو گر تمھیں قدر ہے زندگی کی

کفن زیب سر ہو

تو سر ہاتھ پر ہو

قضا کا نہ مطلق کسی کو خطر ہو

چلو سوئے میدان بن کے سپاہی　　وطن کے پجاری وطن کے سپاہی

اٹھو نو جوانو ! اٹھو نو جوانو!

ذرا تو وطن کی غریبی کو دیکھو　　سیہ بختی و بدنصیبی کو دیکھو

اٹھو جاں نثارو

وطن کے ستارو

غلامی کی لعنت کو سر سے اتارو

قسم کھاؤ سوراج لے کر رہیں گے　　کہو! کل نہیں آج لے کر رہیں گے

اٹھو نو جوانو ! اٹھو نو جوانو!

اگر چہ یہ منزل نہایت کڑی ہے　　حوادث کا خطرہ یہاں ہر گھڑی ہے

جفا سے نہ ڈرنا

بلا سے نہ ڈرنا

یہاں تک کہ اپنی قضا سے نہ ڈرنا

بلا سے اگر جان جاتی ہے جائے　　مگر آنچ آن وطن پر نہ آئے

اٹھو نو جوانو ! اٹھو نو جوانو!

یہی حال ہے تو پریشان ہوگے   ابھی وقت ہے پھر پشیمان ہوگے

اٹھونو جوانو ! اٹھونو جوانو!

کرو اپنے دل میں کچھ احساس پیدا   کہ ہوں ''جاں نثار وطن داس'' پیدا

بنو مرد میداں

کرو جان قرباں

بلیدان ہے نو جوانوں کے شایاں

وطن پر تصدق کرو زندگانی   کہ یہ موت ہے زیست جاودانی

اٹھونو جوانو ! اٹھونو جوانو!

جوانو نہیں وقت اب پیش وپس کا   کہ یہ ''روگ'' ہے اب تمھارے ہی بس کا

تمھیں ہو مسیحا

کرو کچھ مداوا

جوانو! وفا کا یہی ہے تقاضا

وفا کے لیے جان پر کھیل جاؤ   یہ اک کھیل ہے آن پر کھیل جاؤ

اٹھونو جوانو ! اٹھونو جوانو!

سنو اٹھ کے پیغام لعل و جواہر   بڑھو کٹ مرو جاں نثارو وطن پر

جو آزاد ہوگا

تو آباد ہوگا

وگر نہ یونہی دیش برباد ہوگا

اٹھو نوجوانو! سماں کو بدل دو   جہاں تو جہاں آسماں کو بدل دو

اٹھو نوجوانو ! اٹھو نوجوانو!

فریڈم[1] نہیں دھمکیوں سے ملے گی   یہ نعمت تو قربانیوں سے ملے گی

شہادت کے پیاسے

نڈر ہر جفا سے

وطن کو چھڑائیں گے دام بلا سے

جو ہمت ہے دل میں تو صابر یقیں ہے   کہ آزاد ہونا بھی مشکل نہیں ہے

۞

○ ماخوذ از ''پیام بیداری'' 1932، ''ضبط شدہ نظمیں''

[1] آزادی

ظفر علی خاں

اعلان جنگ

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کردیا
باطل سے حق کو دست و گریبان کردیا

سر رکھ دیا رضائے خدا کی حریم پر
خنجر کو پھر حوالۂ شیطان کردیا

ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر
آزادی حیات کا سامان کردیا

دشمن میں اور دوست میں ہونے لگی تمیز
کتنا بڑا یہ ملک پہ احسان کردیا

دے کر وطن کو ترک موالات کا سبق
ملت کی مشکلات کو آسان کردیا

شیخ اور برہمن میں بڑھایا وہ اتحاد
گویا انھیں دو قالب و یک جان کردیا

اوراق جبر و جور وجفا کو بکھیر کے
شیرازہ سلطنت کا پریشان کردیا

ظلم و ستم کی ناؤ ڈبونے کے واسطے
قطرے کو آنکھوں آنکھوں میں طوفان کردیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر
سب کچھ خدا کے نام پہ قربان کردیا

پرور دگار نے کہ وہ ہے آدمی شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کردیا

✡

○ ماخوذ از ''ہندوستان ہمارا'' جلد دوم

ظفر علی خاں

فانوس ہند کا شعلہ

زندہ باش اے انقلاب اے شعلۂ فانوس ہند
گرمیاں جس کی فروغ منقل جاں ہوگئیں

بستیوں پر چھا رہی تھیں موت کی خاموشیاں
تو نے صور اپنا جو پھونکا محشر ستاں ہوگئیں

جتنی بوندیں تھیں شہیدان وطن کے خون کی
قصر آزادی کی آرائش کا ساماں ہوگئیں

مرحبا اے نو گرفتاران بیداد فرنگ
جن کی زنجیریں خروش افزائے زنداں ہوگئیں

زندگی ان کی ہے دین ان کا ہے دنیا ان کی ہے
جن کی جانیں قوم کی عزت پہ قرباں ہوگئیں

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

عظمت اللہ خاں

وطن

1

مری جان ہو کہ مرا بدن ترا جلوہ گاہ ہے اے وطن
تری خاک ان کا خمیر ہے
مرے خون میں یہ جھلک تری مری نبض میں یہ چمک تری
مری سانس تیری صفیر ہے

2

تری خاک جگ کا خلاصہ ہے ترا حسن ایک تماشا ہے
تری پھیلی گود کہ باغ ہے
تری خاک پاک ذلیل ہے تو غلامیوں کی دلیل ہے
تری پود شرم کا داغ ہے

3

تجھے ماسوا سے گرا دیا ہمیں ماسوا نے مٹا دیا
ہوئے تفرقوں سے تمام ہم
تجھے جب تلک کہ بھلا رکھا ہمیں وقت نے بھی مٹا رکھا
بنے گھر میں اپنے غلام ہم

4

ترے خون ہیں یہ پھٹے پھٹے　　ترے پوت ہیں یہ بٹے بٹے
ترے دل جگر ہیں یہ بے وفا
ترا کچھ لہو ہی سفید ہے　　کہ عجب طرح کا یہ بھید ہے
نہیں بھائی بھائی سے آشنا

5

نہیں غیر کا ہمیں کچھ گلا　　کہ غلامیوں کا یہ پھل ملا
ہمیں تفرقہ کے جنون سے
ترے دودھ میں مری پیاری ماں　　نہیں درد کی کوئی بجلیاں
کہ ملا دے خون کو خون سے

6

ہمیں بھائیوں سے غرور ہیں　　ترے جہل و وہم میں چور ہیں
کہ جو کام ہیں سو خطا کے ہیں
کہیں ذات پات کی لاگ ہے　　کہیں دین دھرم کی آگ ہے
کہیں بیر مفت خدا کے ہیں

7

نہیں پیت ہے انھیں جیت ہے　　یہی جگ میں جیت کی ریت ہے
ترے پوت اپنوں سے غیر ہیں
نہیں غیریت یہ مٹانی ہے　　ہمیں جیت آپ پہ پانی ہے
اسی گھر کے غیر سے غیر ہیں

8

ترے پوت بھائی ہیں بھائی ہوں ترے دل سے سب ہی فدائی ہوں

کہ تو آپ اپنی مثال ہو

ترے زور کی یہی دھاک ہو کہ جہاں برائی سے پاک ہو

ترا علم حق کا کمال ہو

○ ماخوذاز ''سریلے بول'' مطبوعہ 1927

علی سردار جعفری

اٹھو

اٹھو ہند کے باغبانو اٹھو اٹھو انقلابی جوانو اٹھو
کسانو اٹھو، کامگارو اٹھو نئی زندگی کے شرارو اٹھو
اٹھو کھیلتے اپنی زنجیر سے اٹھو خاک بنگال و کشمیر سے
اٹھو وادی و دشت و کہسار سے اٹھو سندھ و پنجاب و ملبار سے
اٹھو مالوے اور میوات سے مہاراشٹر اور گجرات سے
اودھ کے چمن سے چہکتے اٹھو گلوں کی طرح سے مہکتے اٹھو
اٹھو کھل گیا پرچم انقلاب نکلتا ہے جس طرح سے آفتاب
اٹھو جیسے دریا میں اٹھتی ہے موج اٹھو جیسے آندھی کی بڑھتی ہے فوج
اٹھو برق کی طرح ہنستے ہوئے کڑکتے گرجتے، برستے ہوئے

غلامی کی زنجیر کو توڑ دو
زمانے کی رفتار کو موڑ دو

❂

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

عمر انصاری

ترانۂ آزادی

بھارت کے اے سپوتو آؤ گلے لگائیں
اپنی تباہیوں کا افسانہ کہہ سنائیں
سب ایک ہو کے نغمے آزادیوں کے گائیں
پچھلی مصیبتوں کو اب دل سے بھول جائیں

بھارت کی پاک دیوی ملنے کو آرہی ہے
آزادیوں کا جھنڈا ہمراہ لارہی ہے

اک نور ہے جو سر سے پاتک برس رہا ہے
گویا مسرتوں کا چشمہ ابل رہا ہے
انداز والہانہ اقدام جاں فزا ہے
ہر ذرۂ چمن اب بیدار ہوگیا ہے

مانند رنگ و بو ہیں ہم ہند کے چمن میں
کتنی ہی ملتیں ہوں سب ایک ہیں وطن میں

اب وقت آگیا ہے اٹھیں بہار بن کر

پھولوں کی انجمن کے نقش و نگار بن کر
تارِ ربابِ ہستی موجِ شرار بن کر
جوشِ عمل کی ضو میں اک تاجدار بن کر
گلزارِ حریت میں کچھ تازہ گل کھلا دیں
پیشانیٔ وطن پر دھبہ جو ہے مٹا دیں

✪

○ ماخوذ از ''آزادی کی نظمیں''

فراق گورکھپوری

آزادی

مری صدا ہے گل شمع شام آزادی
سنا رہا ہوں دلوں کو پیام آزادی
لہو وطن کے شہیدوں کا رنگ لایا ہے
اچھل رہا ہے زمانہ میں نام آزادی
مجھے بقا کی ضرورت نہیں کہ فانی ہوں
مری فنا سے ہے پیدا دوام آزادی
جو راج کرتے ہیں جمہوریت کے پردے میں
انھیں بھی ہے سرو سودائے خام آزادی
بنائیں گے نئی دنیا کسان اور مزدور
یہی سجائیں گے دیوان عام آزادی
فضا میں جلتے دلوں سے دھواں سا اٹھتا ہے
ارے یہ صبح غلامی ! یہ شام آزادی
یہ مہرو ماہ یہ تارے یہ بام ہفت افلاک
بہت بلند ہے ان سے مقام آزادی
فضائے شام و سحر میں شفق جھلکتی ہے

کہ جام میں ہے مئے لالہ فام آزادی
سیاہ خانۂ دنیا کی ظلمتیں ہیں دو رنگ
نہاں ہے صبح اسیری میں شام آزادی
سکوں کا نام نہ لے، ہے وہ قید بے میعاد
ہے پے بہ پے حرکت میں قیام آزادی
یہ کاروان ہیں پسماندگان منزل کے
کہ رہروؤں میں یہی ہیں امام آزادی
دلوں میں اہل زمیں کے ہے نیواس کی مگر
قصور خلد سے اونچا ہے بام آزادی
وہاں بھی خاک نشینوں نے جھنڈے گاڑ دیے
ملا نہ اہل دول کو مقام آزادی
ہمارے زور سے زنجیر تیرگی ٹوٹی
ہمارا سوز ہے ماہ تمام آزادی
ترنم سحری دے رہا ہے جو چھپ کر
حریف صبح وطن ہے یہ شام آزادی

ہمارے سینے میں شعلے بھڑک رہے ہیں فراق
ہماری سانس سے روشن ہے نام آزادی

❂

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب علی جواد زیدی 1959

لاعلم

ہندوستانی بچوں کا گیت

سروں پہ شوق سے کوہ الم اٹھائیں گے
پڑیں گے آگ میں ماتا سے لو لگائیں گے

ہزاروں سختیاں جھیلیں گے دیش کی خاطر
وطن کے نام پہ گردن بھی ہم کٹائیں گے

ہم اپنے ہاتھ سے کاٹیں گے دیش کے بندھن
سپوت بن کے زمانے میں نام پائیں گے

مٹیں گے شمع محبت پہ مثل پروانہ
زباں پہ حرف شکایت مگر نہ لائیں گے

پڑیں گے قوم کے در پر رٹیں گے آزادی
فقیر بن کے وہاں دھونیاں رمائیں گے

✡

○ ماخوذاز ''کانگریس پشپانجلی'' مولفہ ٹیک چند بھارتی، مطبوعہ فاروقی پریس، سہارنپور 1930،
''ضبط شدہ ادبیات''۔ نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 1652، ''آزادی کے ترانے'' نیشنل میوزیم

لااعلم

مقدمۂ سازش لاہور کے اسیران کی آواز

بھارت نہ رہ سکے گا ہرگز غلام خانہ
آزاد ہوگا ہوگا آتا ہے وہ زمانہ

اب بھیڑ اور بکری بن کر نہ رہ سکیں گے
کردیں گے ظالموں کا اب بند ظلم ڈھانہ

خوں کھولنے لگے گا ہندوستانیوں کا
اس پست ہمتی کا ہوگا کہاں ٹھکانہ

بھارت کے ہم ہیں بچے بھارت ہماری ماتا
اس کے ہی واسطے ہے منظور سر کٹانا

یہ نظم کامریڈ پریم دت ملزم مقدمۂ سازش لاہور اپنی سریلی آواز سے مقدمہ کی سماعت کے دوران پڑھا کرتے تھے، بعد ازاں تمام ملزمان مل کر اس کو گاتے تھے

○ ماخوذ از ''ہفتہ وار پیام جنگ'' لاہور 8 جنوری 1930، لاہور کا آزادی نمبر، ''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 2321

لاعلم

وطن کا گیت

ہے جان و دل سے پیارا ہم کو وطن ہمارا
دنیا میں سب سے اچھا پیارا وطن ہمارا
دریا ہیں اس کے پیارے اس کے پہاڑ عمدہ
رشکِ جناں ہے بیشک پیارا وطن ہمارا
ہے جان و دل سے پیاری ہم کو وطن کی ہر شے
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ ہے چمن ہمارا
جاتا ہے یاں سے باہر چاول اناج سب کچھ
بھرتا ہے پیٹ سب کے پیارا وطن ہمارا
گودی میں ہم وطن کی پل کر جواں ہوئے ہیں
ہے ہم کو ماں سے پیارا پیارا وطن ہمارا
ہم سب ہیں بھائی بھائی ہندو ہوں یا مسلماں
ہندوستاں ہے سب کا پیارا وطن ہمارا

○ ماخوذ از ''اردو میں ہندوستانی شاعری''، دیش بھگتی کی نظمیں: ڈاکٹر عبدالستار دلوی
مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ سنٹر ایم۔ جی۔ ایم۔ بلڈنگ بمبئی 1972

تلوک چند محروم

سودیشی تحریک

وطن کے دردِ نہاں کی دوا سدیشی ہے
غریب قوم کی حاجت روا سدیشی ہے

تمام دہر کی روحِ رواں ہے یہ تحریک
شریکِ حسنِ عمل جا بجا سدیشی ہے

قرارِ خاطرِ آشفتہ ہے فضا اس کی
نشانِ منزلِ صدق و صفا سدیشی ہے

وطن سے جن کو محبت نہیں وہ کیا جانیں
کہ چیز کون بدیشی ہے کیا سدیشی ہے

اسی کے سایہ میں پاتا ہے پرورش اقبال
مثالِ سایۂ بالِ ہما سدیشی ہے

اسی نے خاک کو سونا بنا دیا اکثر
جہاں میں گر ہے کوئی کیمیا سدیشی ہے

فنا کے ہاتھ میں ہے جانِ ناتوانِ وطن
بقا جو چاہو تو رازِ بقا سدیشی ہے

ہو اپنے ملک کی چیزوں سے کیوں ہمیں نفرت
ہر ایک قوم کا جب مدعا سدیشی ہے

✿

○ ماخوذ از ''قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

مخدوم محی الدین

آزادیِ وطن

کہو ہندوستاں کی جے

کہو ہندوستاں کی جے

قسم ہے خون سے سینچے ہوئے رنگیں گلستاں کی

قسم ہے خون دہقاں کی، قسم خون شہیداں کی

یہ ممکن ہے کہ دنیا کے سمندر خشک ہو جائیں

یہ ممکن ہے کہ دریا بہتے بہتے تھک کے سو جائیں

جلانا چھوڑ دیں دوزخ کے انگارے یہ ممکن ہے

روانی ترک کر دیں برق کے تارے یہ ممکن ہے

زمین پاک اب ناپاکیوں کو ڈھو نہیں سکتی

وطن کی شمع آزادی کبھی گل ہو نہیں سکتی

کہو ہندوستاں کی جے

کہو ہندوستاں کی جے

وہ ہندی نوجواں یعنی علم بردار آزادی

وطن کا پاسباں وہ تیغ جوہردار آزادی

وہ پاکیزہ شرارہ بجلیوں نے جس کو دھویا ہے
وہ انگارہ کہ جس میں زیست نے خود کو سمویا ہے
وہ شمع زندگانی آندھیوں نے جس کو پالا ہے
اک ایسی ناؤ طوفانوں نے خود جس کو سنبھالا ہے
وہ ٹھوکر جس سے گیتی لرزہ براندام رہتی ہے
وہ دھارا جس کے سینے پر عمل کی ناؤ بہتی ہے
چھپی خاموش آہیں شورِ محشر بن کے نکلی ہیں
دبی چنگاریاں خورشیدِ خاور بن کے نکلی ہیں
بدل دی نوجوانِ ہند نے تقدیر زنداں کی
مجاہد کی نظر سے کٹ گئی زنجیر زنداں کی
کہو ہندوستاں کی جے
کہو ہندوستاں کی جے

✡

○ ماخوذ از ''ہندوستان ہمارا''، جلد دوم

حصۂ چہارم

جدوجہد آزادی اور انقلاب

جگن ناتھ آزاد

سبھاش چندر بوس
بہادر شاہ ظفر کے مزار پر

السلام اے عظمت ہندوستاں کی یادگار
اے شہنشاہِ دیارِ دل! فقیر بے دیار
آج پہلی بار تیری قبر پر آیا ہوں میں
بے نوا ہوں نذر کو بے لوث دل لایا ہوں میں
گردش تقدیر کے ہاتھوں وطن سے دور ہوں
ایک بلبل ہوں مگر صحن چمن سے دور ہوں
شوق آزادی کا مجھ کو کھینچ لایا ہے یہاں
آج دشمن ہے زمیں میری عدو ہے آسماں
میں بھی ہوں اپنے وطن سے دور تو بھی دور ہے
ہاں رضائے پاک یزداں کو یہی منظور ہے

میرا دامن بھی یہاں کی خاک سے آلودہ ہے
فرق صرف اتنا ہے میں آوارہ تو آسودہ ہے

اے شہ خوابیدہ! اے تقدیر بیدار وطن
آئینہ میری نگاہوں پر ہے ادبار وطن
میرے دل کو یاد ہے اب تک وہ ستاون کی جنگ
جس کے بعد اس سرزمیں پہ چھا گئے اہل فرنگ
میری نظروں میں ہے میرٹھ اور دہلی کا زوال
جانتا ہوں میں جو تھا جھانسی کی رانی کا مآل
میں نہیں بھولا ابھی انجام نانا فرنویس
ہے نظر میں کوشش ناکام نانا فرنویس

داستاں جیسے بھی ہو گذری وہ سب معلوم ہے
تیرے دلبندوں پہ جو گذری وہ سب معلوم ہے

یہ وطن رونداہے جس کو مدتوں اغیار نے
جس پہ ڈھائے ظلم لاکھوں چرخ ناہنجار نے
جس کو رکھا مدتوں قسمت نے ذلت آشنا
جس نے ہر پہلو میں دیکھی پستیوں کی انتہا
آج پھر اس ملک میں اک زندگی کی لہر ہے
خاک سے افلاک تک تابندگی کی لہر ہے
آج پھر اس ملک کے لاکھوں جواں بیدار ہیں

حریت کی راہ میں مٹنے کو جو تیار ہیں
آج پھر ہے بے نیام اس ملک کی تلوار دیکھ
سونے والے جاگ اپنے خواب کی تعبیر دیکھ
اس طرح لرزے میں ہے بنیاد ایوان فرنگ
کھا چکے ہیں مات گویا شیشہ بازان فرنگ
حب قومی کے ترانوں سے ہوا لبریز ہے
اور توپوں کی دنادن سے فضا لبریز ہے
شور گیرودار کا ہے پھر فضاؤں میں بلند
آج پھر ہمت نے پھینکی ہے ستاروں پر کمند
پھر امنگیں آرزوئیں ہیں دلوں میں بے قرار
قوم کو یاد آگیا ہے اپنا گم گشتہ وقار
نوجوانوں کے دلوں میں سرفروشی کی امنگ
عشق بازی لے گیا ہے عقل بے چاری ہے دنگ
آج پھر اس دیس میں جھنکار تلواروں کی ہے
کچھ نرالی کیفیت پھر دیس کے پیاروں کی ہے
جو توانائی ارادوں میں ہے کہساروں کی ہے
ذرے ذرے میں نہاں تابندگی تاروں کی ہے
یہ نظارہ آہ لفظوں میں سما سکتا نہیں

''آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں''

فتح و نصرت کی دعاؤں سے ہوا معمور ہے
نعرۂ ''جے ہند'' سے ساری فضا معمور ہے

مجھ کو اے شاہ وطن! اپنے ارادوں کی قسم
جن کے سر کاٹے گئے ان شاہزادوں کی قسم
تیرے مرقد کی مقدس خاک کی مجھ کو قسم
میں جہاں ہوں اس فضائے پاک کی مجھ کو قسم
اپنے بھوکے جاں بلب بنگال کی مجھ کو قسم
حاکموں کے دست پرور کال کی مجھ کو قسم
لال قلعے کی، زوال شہر دہلی کی قسم
محسن دہلی! مآل شہر دہلی کی قسم

میں تری کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لاؤں گا
اور ترے مرقد پہ نصرت یاب ہوکر آؤں گا

تیغ ہندی جس کا لوہا مانتا ہے اک جہاں
جس کی تیزی کی گواہی دے رہا ہے آسماں
تیغ ہندی جس کو میں نے کردیا ہے بے نیام
جس کا شیوہ حریت کیشی، جہانگیری ہے کام

جس نے پوری منصفی کی آج تک دنیا کے ساتھ
ظلم کی دشمن ہے جو اک ظلم بے پروا کے ساتھ

ہر قدم پر جس نے باطل کو ملایا خاک میں
جس کے ساکھوں کی ابھی تک گونج ہے افلاک میں

آج پھر اپنی نظر جس کی چمک سے خیرہ ہے
جس کی تابانی سے روشن اک جہان تیرہ ہے

اک جزیرے کے حسیں ساحل سے جب ٹکرائے گی
چین سے مجھ کو بھڑکتی آگ میں نیند آئے گی

○ ماخوذ از "اردو میں قومی شاعری کے سو سال" مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ، 1959

محمد حسین آزاد

فتح افواج شرق

کو ملک سلیماں و کجا حکم سکندر
شاہان اولی العزم و سلاطین جہاں دار
کو سطوت حجاج و کجا صولت چنگیز
کو خان ہلاکو و کجا نادر خوں خوار
نہ شوکت و حشمت، نہ وہ حکم، نہ حاصل
کس جا ہے جہاں، اور کہاں ہیں وہ جہاں دار
ہوتا ہے ابھی کچھ سے کچھ، اک چشم زدن میں
ہاں دیدۂ دل ،کھول دے، اے صاحب ابصار
ہے کل کا ابھی ذکر کہ جو، قوم نصاریٰ
تھی صاحب اقبال و جہاں بخشش و جہاں دار
تھے صاحب علم و ہنر و حکمت و فطرت
تھے صاحب جاہ و حشم و لشکر جرار
اللہ ہی اللہ ہے، جس وقت کہ نکلے
آفاق میں تیغ غضب و حضرت قہار

سب جوہر عقل ان کے رہے، طاق پہ رکھے
سب ناخن تدبیر و خرد، ہوگئے بے کار
کام آئے نہ علم و ہنر و حکمت و فطرت
پورب کے تلنگوں نے لیا سب کو وہیں مار
یہ سانحہ وہ ہے، کہ نہ دیکھا، نہ سنا تھا
ہے گردش گردوں بھی عجب، گردش دوار
نیرنگ پہ غور اس کے جو کیجے، تو عیاں ہے
ہر شعبدۂ تازہ میں، صد بازی عیار
ہاں دیدۂ عبرت کو ذرا کھول تو غافل
ہیں بند یہاں اہل زباں کہ لب گفتار
کیا کہیے کہ دم مارنے کی جائے نہیں ہے
حیراں ہیں سب آئینہ صفت پشت بدیوار
حکام نصاریٰ کا، بدیں دانش و بینش
مٹ جائے نشاں خلق میں، اس طرح سے یک بار
اس واقعے کی چاہی جو آزاد نے تاریخ
دل نے کہا قــل فـــاعتبــروا یـــا اولی الابــصـــار

✡

*○ ماخوذ از ''دہلی اردو اخبار'' مورخہ 24 مئی 1857، نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی، شہر آشوب، مرتب: ڈاکٹر نعیم احمد دہلی، 1968

جعفر علی خاں اثر لکھنوی

زمزمۂ آزادی

صبح کے شہپر رنگیں پہ اڑے پھرتے ہیں
زمزمے طائروں کے وادی و گلشن کی طرف
فکر کیا تاک میں صیاد پڑے پھرتے ہیں
بجلیاں رشک سے تکتی ہیں نشیمن کی طرف

بلبل رشتہ بپا سنتے ہی پیغام سحر
گیت گاتی ہے طرب خیز پئے عشرت غیر
گو نہیں ولولہ انگیز فضا یا منظر
دل میں کینہ ہے کسی سے نہ عداوت ہے نہ بیر

شبنم گل بھی نہیں جس سے زباں تر کر لے
یا مصیبت میں شریک غم پنہاں ہو کوئی
آہ اتنا بھی نہیں سانس جو ٹھنڈی بھر لے
حالت زار کا یا لطف سے پرساں ہو کوئی

آنکھ نمناک نہ دل کوئی محبت والا
یہی کیا کم ہے سحر شکل دکھا جاتی ہے
ہے بہت ایسے میں اتنا بھی سہارا پانا
روشنی ٹوٹی ہوئی آس بندھا جاتی ہے

ہمنوا اس کے ہیں آزاد غنیمت ہے یہی
اس تصور سے اسیری کی تعب گھٹتی ہے
وہ اگر خوش ہیں تو یہ شاد محبت ہے یہی
دن گذرتا ہے یوہیں رات یوہیں کٹتی ہے

اور وہ قید جو ہو جنگ میں آزادی کی
خواب غفلت کی ٹھٹھر دور کرے جس کی صدا
روح دوڑائے دل سنگ میں آزادی کی
شیر دل سحر بیاں اپنے وطن کا شیدا

کیوں نہ ہو قہقہہ زن قیدی زنداں[1] ہوکر
کیا الم ہے وہ اگر طوق و سلاسل میں ہے
ظلمتیں دور ہوئیں خواب پریشاں ہوکر
میر منزل نہ سہی قافلہ منزل میں ہے

[1] پنڈت جواہر لال جی کی اسیری کی طرف اشارہ ہے۔

دیکھنا صبح ہوئی پنجۂ شب سے آزاد
کس حشم سے وہ دمکتا ہوا سورج نکلا
دیس کا دیس ہوا رنج و تعب سے آزاد
وہ مساوات کا ہر سمت اجالا پھیلا

چیخ اٹھا دیو غلامی کا چھپا کر منہ کو
کھوگیا صبح کی تنویر میں سایہ بن کر
دیکھو، دیکھو وہ اڑا صبح کا پرچم دیکھو!
آفریں ، آفریں اس عزم پر اس ہمت پر

صبح کے شہپر رنگیں پہ اڑے پھرتے ہیں
زمزمے طائروں کے وادی و گلشن کی طرف
فکر کیا تاک میں صیاد پڑے پھرتے ہیں
بجلیاں رشک سے تکتی ہیں نشیمن کی طرف

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ، 1959

منشی گوری شنکر لال اختر

جذبات اختر

اٹھائیں ظلم کب تک اور کب تک سختیاں جھیلیں
سہیں کب تک جفائے غیر تا کہ رنج و غم جھیلیں

ہماری کاہلی اغیار کے حق میں غنیمت ہے
ہمارا نیند سے بیدار ہو جانا قیامت ہے

ہم اٹھنے بھی نہ پائیں گے کہ دنیا کانپ جائے گی
فلک چکر میں آئے گا زمیں بھی تھرتھرائے گی

نہ گھبراتے ہیں تیروں سے نہ تلواروں سے ڈرتے ہیں
ہم اپنی دھن کے پورے ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں

جب اپنی ضد پہ آجاتے ہیں پھر پروا نہیں کرتے
ضرر ہوگا کہ اس میں نفع یہ دیکھا نہیں کرتے

بپا ہو نوح کا طوفان بحر زندگانی میں
اگر ہم ٹھان لیں دل میں لگا دیں آگ پانی میں

کہے دیتے ہیں اتنا گو زیادہ کہہ نہیں سکتے
کسی سے دب کے زیر آسماں ہم رہ نہیں سکتے

ابھی دل میں خیال عزت و توقیر باقی ہے
ابھی ہم میں بڑوں کے خون کی تاثیر باقی ہے
ستائے گا کوئی اختر تو ہم اس کو ستائیں گے
جو آئیں گے ہمارے منھ وہ اپنے منھ کی کھائیں گے

✿

○ ماخوذ از ہفتہ وار ''کڑک'' لاہور، 1930، ضبط شدہ نظمیں، نیشنل میوزیم

اعظم حسین اعظم

ستیا گرہی خاتون کی تصویر دیکھ کر

غم نہیں، غصہ نہیں، حسرت نہیں، حرماں نہیں
اضطراب روح کا کوئی نیا عنواں نہیں
میں جہاں بیٹھا ہوں اپنا گھر ہے کچھ زنداں نہیں
پھر یہ کیا ہے آج قابو میں دل نالاں نہیں

صبح سے منظر ہے کچھ اس طرح کا پیش نگاہ
دیکھ کر بے ساختہ دل سے نکل جاتی ہے آہ

کس اسیر ظلم کی یہ سامنے تصویر ہے
کون سی یہ ماہ پارا بستۂ زنجیر ہے
ہاتھ میں کیوں ہتھکڑی ہے اس کی کیا تقصیر ہے
نازنین مہ جبیں بھی لائق تعزیر ہے

سخت غیرت کا مقام اے عشق غیرت دار ہے
سر فروشی کے لیے اب حسن خود تیار ہے

جان پر کھیلے ہوئے ہیں وہ جو ہیں جان جہاں

خود نشانہ بن رہے ہیں صاحب تیر و کماں
حسن کو امداد کی حاجت ہوئی ہے الاماں
اس سے بڑھ کر اور اب کیا ہوگا وقت امتحاں

عشق وارفتہ کہاں اس وقت محو خواب ہے
سرخرو ہونے کا موقع کس قدر نایاب ہے

ہائے وہ نازک کلائی چوڑیاں تھیں جس کو بار
وہ صراحی دار گردن تھا گلوں کا جس میں ہار
لب پہ شکوے کے عوض گو ہے تبسم آشکار
دیکھنے والوں سے لیکن ہے اشارا بار بار

سلسلہ جنباں ہے وحشت اک نئی تدبیر سے
وہ طلائی طوق بدلا آہنی زنجیر سے

دھوم جس کے نور کی محلوں میں کاشانوں میں ہے
اب وہی شمع شبستاں تنگ زندانوں میں ہے
جس کا شیوہ تھا جلانا خود وہ پروانوں میں ہے
ہائے اب پردہ نشیں لیلیٰ بھی دیوانوں میں ہے

سوئے مقتل کھینچ کر قاتل کو ارماں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پا بہ جولاں لے چلا

ساز کے ہر تار میں بے چین ہیں پرجوش راگ
لب تو ہیں خاموش لیکن نغمہ زن ہے دل کی راگ
کس کو کہتے ہیں رنڈاپا اور کیا شے ہے سہاگ
آشیاں کیسا لگی ہے ہر طرف گلشن میں آگ

حسن فانی چار دن کے بعد کیا رہ جائے گا
جاں نثاران وطن کا تذکرہ رہ جائے گا

دھوپ کی شدت سے چہرہ پھول سا کمھلا گیا
مثل شبنم روئے رنگیں پر پسینہ آگیا
گرم جھونکوں سے ہوا کے رنگ تک سونلا گیا
دیکھنے والوں کا دل یہ دیکھ کر گھبرا گیا

اڑ رہے تھے دوش پر موئے پریشاں ہر طرف
کارفرما تھی نگاہ فتنہ ساماں ہر طرف

وہ ترا بیباک جذبہ وہ ترا جوش عمل
تھی اسیری کی نہ کچھ پروا نہ کچھ خوف اجل
فکر تھی تو یہ ارادوں میں نہ آجائے خلل
ہوشمندانہ ہر اک تقریر دلکش باَمحل

ڈال دی مردہ دلوں میں جان اس انداز سے
وہ تڑپ اٹھا جسے دیکھا نگاہ ناز سے

بے پرو بالی میں بھی یوں مائل پرواز ہے
کہتے ہیں سب طائر آزاد کا انداز ہے
قمری پر بستہ یہ ہے یا کوئی شہباز ہے
قوتیں اب تک وہی بازو میں ہیں کیا راز ہے

ہو نہ ہو اس میں بھی کچھ منشائے قدرت ہے نہاں
ہونے والا ہے غلامی سے رہا ہندوستاں

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی، 1959

برق

کھدر نامہ

کھدر میں سادگی کی عجب آن بان ہے
قائم اسی سے عہد گذشتہ کی شان ہے
پوشش امیر کی ہے غریبوں کی جان ہے
کیسی عجیب چیز یہ گاڑھے کا تھان ہے
پوشاک اہل ہند کو زیبا تریں ہے یہ
کم خرچ اور ساتھ میں بالا نشیں ہے یہ

کھدر کا تار تار صفائی میں فرد ہے
اس کی صفا سے مخمل رومی بھی گرد ہے
بازار اس کے دم سے بدیشی کا سرد ہے
پہنو اسے وطن کا اگر دل میں درد ہے
اطلس خجل ہے گاڑھے کی چدر کے سامنے
کم خواب بے فروغ ہے کھدر کے سامنے

تن زیب میں کہاں ہیں جو کھدر میں ہیں صفات
اس میں وہ سادگی ہے کہ سو بانکپن ہیں مات

ارزان و پائدار بری از تکلفات
ہے اہل ہند کے لیے یہ باعث نجات
پہنیں جو ہم اسے تو رہیں تنگ دست کیوں
مزدور و دستکار پھریں فاقہ مست کیوں

کھدر کا زیب تن ہو ہمارے اگر لباس
باہر نہ جانے پائے کبھی ہند کی کپاس
بھارت نواسیوں کو ملے نفع بے قیاس
دولت رہے وطن کی پھر اہل وطن کے پاس
فاقوں سے خستہ دل نہ کوئی بھی غریب ہو
کپڑا بدن کو پیٹ کو روٹی نصیب ہو

یارب دعا ہے ہند میں اس کا چلن رہے
قائم جہاں میں شوکت و شان کہن رہے
جب تک جئیں بدن پہ لباس وطن رہے
مرنے پہ پردہ پوش سودیشی کفن رہے
چمکیں نصیب برق جو اس کا رواج ہو
یورپ کے مال کی نہیں پھر احتیاج ہو

○ ماخوذ از ''کانگریس پشپانجلی''، 1930ء، ضبط شدہ نظمیں، نیشنل میوزیم

رام پرشاد بسمل

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوے قاتل میں ہے

رہرو راہ محبت رہ نہ جانا راہ میں
لذت صحرا نوردی دوری منزل میں ہے

وقت آنے دے بتادیں گے تجھے اے آسماں
ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے

آکے مقتل میں یہ قاتل کہہ رہا ہے بار بار
کیاتمنائے شہادت بھی کسی کے دل میں ہے

اے شہید ملک و ملت تیرے جذبوں کے نثار
تیری قربانی کا چرچا غیر کی محفل میں ہے

یوں ستانے کو ستا لے پر تو اتنا دیکھ لے
کوئی بھی حسرت زدہ مجھ سا تری محفل میں ہے

اب نہ اگلے ولولے ہیں اور نہ ارمانوں کی بھیڑ
ایک مٹ جانے کی حسرت اب دل بسمل میں ہے

❁

○ ماخوذ از ''وطن کا راگ'' مرتبہ: اکسیر سیالکوٹی، مطبوعہ نشتر اسٹیم پریس، لاہور۔ ضبط شدہ ادبیات، نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 1638، '' آزادی کے گیت'' شائع کردہ محکمۂ اطلاعات، اتر پردیش، لکھنؤ، 1972

رام پرشاد بسمل

وہ چپ رہنے کو کہتے ہیں جو ہم فریاد کرتے ہیں

الٰہی خیر وہ ہر دم نئی بیداد کرتے ہیں
ہمیں تہمت لگاتے ہیں جو ہم فریاد کرتے ہیں

کبھی آزار دیتے ہیں کبھی بیداد کرتے ہیں
مگر اس پر بھی سوجی سے ہم ان کو یاد کرتے ہیں

اسیران قفس سے کاش یہ صیاد کہہ دیتا
رہو آزاد ہوکر ہم تمھیں آزاد کرتے ہیں

رہا کرتا ہے اہل غم کو کیا کیا انتظار اس کا
کہ دیکھیں وہ دل ناشاد کو کب شاد کرتے ہیں

یہ کہہ کہہ کر بسر کی عمر ہم نے قید الفت میں
وہ اب آزاد کرتے ہیں، وہ اب آزاد کرتے ہیں

ستم ایسا نہیں دیکھا جفا ایسی نہیں دیکھی

وہ چپ رہنے کو کہتے ہیں جو ہم فریاد کرتے ہیں

یہ بات اچھی نہیں ہوتی یہ بات اچھی نہیں کرتے
ہمیں بے کس سمجھ کر آپ کیوں برباد کرتے ہیں

کوئی بسمل بناتا ہے جو مقتل میں ہمیں بسمل
تو ہم ڈر کر دبی آواز سے فریاد کرتے ہیں

✿

○ ماخوذ از ''کانگریس پشپانجلی'' مولفہ: ٹیک چند بھارتی، مطبوعہ، فاروقی پریس، سہارنپور، 1930، ضبط شدہ ادبیات، نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 1652

رام پرشاد بسمل

دور تک یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو[1]

ہم بھی آرام اٹھا سکتے تھے گھر پر رہ کر
ہم کو بھی پالا تھا ماں باپ نے دکھ سب سہہ کر
وقتِ رخصت انھیں اتنا بھی نہ آئے کہہ کر
گود میں آنسو کبھی ٹپکے جو رخ سے بہہ کر

طفل ان کو ہی سمجھ لینا جی بہلانے کو

دیش سیوا ہی کا بہتا ہے لہو نس نس میں
اب تو کھا بیٹھے ہیں چتوڑ کے گڑھ کی قسمیں
سرفروشی کی ادا ہوتی ہیں یوں ہی رسمیں
بھائی خنجر کے گلے ملتے ہیں سب آپس میں

بہنیں تیار چتاؤں پہ ہیں جل جانے کو

نوجوانو جو طبیعت میں تمھارے کھٹکے
یاد کر لینا کبھی ہم کو بھی بھولے بھٹکے

1۔ ایڈیٹر نے اس نظم کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ وہ سادہ پر خلوص نظم ہے جسے مقدمہ سازش لاہور کی سماعت کے دوران میں اسیر پریم دت نے گا کر لوگوں کو رلا دیا تھا۔

آپ کے عضو بدن ہوویں جدا کٹ کٹ کے
اور سر چاک ہو ماتا کا کلیجہ پھٹ کے
پر نہ ماتھے پہ شکن آئے قسم کھانے کو

اپنی قسمت میں ازل سے ہی ستم رکھا تھا
رنج رکھا تھا محن رکھا تھا غم رکھا تھا
کس کو پرواہ تھی اور کس میں یہ دم رکھا تھا
ہم نے جب وادی غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یاد وطن آئی تھی سمجھانے کو

اپنا کچھ غم ہی نہیں پر یہ خیال آتا ہے
مادر ہند پہ کب تک یہ زوال آتا ہے
دیش آزادی کا کب ہند میں سال آتا ہے
قوم اپنی پہ تو رہ رہ کے ملال آتا ہے
منتظر رہتے ہیں ہم خاک میں مل جانے کو

○ ماخوذاز ''آہ بیکس'' عرف ''آزادی کی لہر'' مرتبہ: بھائی شیو پرساد، کرشنا پرنٹنگ پریس، جگادھری، ضبط شدہ ادبیات، نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 1711

رام پرشاد بسمل

زندگی کا راز مضمر خنجر قاتل میں ہے

چرچا اپنے قتل کا اب یار کی محفل میں ہے
دیکھنا ہے یہ تماشا کون سی منزل میں ہے

دیش پر قربان ہوتے جاؤ تم اے ہندیو
زندگی کا راز مضمر خنجر قاتل میں ہے

ساحل مقصود پر لے چل خدارا نا خدا
آج ہندوستان کی کشتی بڑی مشکل میں ہے

دور ہو اب ہند سے تاریکی بغض و حسد
بس یہی حسرت یہی ارماں ہمارے دل میں ہے

بام رفعت پر چڑھا دو دیش پر ہوکر فنا
بسمل اب اتنی ہوس باقی ہمارے دل میں ہے

٭

○ ماخوذ از ''کانگریس پشپانجلی''، 1930، ضبط شدہ نظمیں

رام پرشاد بسمل

وطن کے واسطے جینا، وطن کے واسطے مرنا

روا ہے بلبل شیدا چمن کے واسطے مرنا
وطن کے واسطے جینا وطن کے واسطے مرنا
وطن سے دور کیا پردیس جائیں حضرت بسمل
نہیں بہتر کہیں دو گز کفن کے واسطے مرنا

☆

خاک ہونا ہے مجھے خاک کی ہستی کیا ہے
چار دن بعد بتادوں گا کہ مستی کیا ہے
وہ بلندی پہ ہیں آج ان کا ستارا ہے بلند
اس سے آگاہ نہیں کچھ بھی کہ پستی کیا ہے
نیستی سے انھیں آگاہ کرو اے بسمل
جو سمجھتے ہی نہیں دل میں کہ ہستی کیا ہے

○ ماخوذ از ''انقلاب زندہ باد کی لہر'' عرف ''آزادی کا پھول'' ناشر بھائی شیو پرساد، فاروقی پریس، سہارنپور، ''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 2609

شیو لال بسمل

انقلاب! انقلاب!!

انقلاب زندہ باد زندہ باد انقلاب
انقلاب لاجواب لاجواب انقلاب
انقلاب! انقلاب!!

ادھر سے سرفروشیاں اور اس پہ گرم جوشیاں
ادھر سے ستم کوشیاں ادھر سے ہیں خموشیاں
خموشیوں میں انقلاب زندہ باد انقلاب
انقلاب! انقلاب!!

ادھر سے ڈنڈا بازیاں ادھر سے بے نیازیاں
ادھر سے فتنہ سازیاں کمال کی غمازیاں
ادھر سے جاں گرازیاں ادھر سے ترکتازیاں
ان ہی کی حیلہ سازیاں بپا کریں گی انقلاب
انقلاب! انقلاب!!

ادھر ہیں چیرہ دستیاں ادھر ہیں فاقہ مستیاں
ہیں آرزو کی بستیاں یہ انقلابی ہستیاں
جو جھیلتی ہیں سختیاں ہے سختیوں میں انقلاب
انقلاب! انقلاب!!

چاہتے ہو انقلاب سختیوں سے اجتناب
نوجواں کا انقلاب شاندار انقلاب
روس کا تھا انقلاب ایشیا کا انقلاب
ہند کا یہ انقلاب ہے جہاں کا انقلاب
وہ بھی تھا اک انقلاب یہ بھی ہے اک انقلاب
ہر طرف سے انقلاب لو وہ دیکھو انقلاب
آ رہا ہے انقلاب زندہ باد انقلاب

انقلاب! انقلاب!!
زندہ باد انقلاب

○ ماخوذ از ''انصاف کا خون'' مصنفہ پنڈت شیولال بسمل، نریندر الیکٹرک پریس، لائلپور، ''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 2312

معین احسن جذبی

دعوت جنگ

وہ ہوئی لرزش ہوا میں وہ بگل بجنے لگا
جنگ کے نغموں سے وہ تھرائی دنیا کی فضا
دل دھڑکتا ہے فلک پر آج اسرافیل کا
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

ہر طرف ہر سمت، کشت و خون کا طوفان ہے
جاں بلب کوئی ہے، کوئی پیکر بے جان ہے
یہ سمجھ لے ساری دنیا جنگ کا میدان ہے
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

دیکھ وہ مزدور اٹھے ہیں برائے انتقام
ہاں الٹنا ہے تجھے سرمایہ داری کا نظام
کیوں نہیں ہوتی تری تلوار آخر بے نیام
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

گرمیاں گفتار میں رکھی ہیں کس دن کے لیے
آندھیاں رفتار میں رکھی ہیں کس دن کے لیے

بجلیاں تلوار میں رکھی ہیں کس دن کے لیے
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

جھومتا چل اور خونخواروں کے سینے چیر ڈال
اک قدم بڑھ، اور غداروں کے سینے چیر ڈال
ظلمت شب میں سیہ کاروں کے سینے چیر ڈال،
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

جو نہ تیری ہمنوا ہوں وہ زبانیں کاٹ ڈال
خم شدہ سی شہر یاروں کی کمانیں کاٹ ڈال
بے بسوں کے خون کی پیاسی سنانیں کاٹ ڈال
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

تجھ کو روکیں گے بمنت کتنے شیخ و برہمن
نوع انسانی کے دشمن، مذہبوں کے گور کن
ہاں انھیں کے خون سے ہو سرخ صحرا و چمن
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

آئیں گے لے لے کے رشوت رشک دارا فخر جم
بافراواں سیم و گوہر، بافریب چشم نم
ایسے سانپوں کو کچل ڈالیں مگر تیرے قدم
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

جن کے آگے ہاتھ کانپیں ان حسینوں کو نہ دیکھ
تو ہے جلاد فلک زہرہ جبینوں کو نہ دیکھ
آسماں پر وار کر بڑھ کر زمینوں کو نہ دیکھ
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

انقلابی گیت گاتا چل پر اس انداز میں
اژدہے آتش کے بل کھائیں تری آواز میں
آگ لگ جائے جفاکاروں کے رنگیں ساز میں
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

وہ بلندی پر ہے مزدوروں کا پرچم آگ سا
اس کی جانب دیکھ جب تھکنے لگیں تیرے قویٰ
زور آجائے گا بازو میں ترے سہراب کا
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

تو سر دشمن کا گاہک جنگ کے بازار میں
موت کا ہنستا ہوا چہرہ تری تلوار میں
فتح کے مژدے تری تلوار کی جھنکار میں
اے سپاہی کھینچ اپنی خوں فشاں تلوار کھینچ

✿

○ ماخوذاز "آزادی کی نظمیں"

جمیل مظہری

نوائے جرس

بڑھے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو، بڑھے چلو

برادران نوجواں، غرور کارواں ہو تم
جہان پیر کے لیے شباب جاوداں ہو تم
تمھارے حوصلے جواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

اٹھائے سر بڑھے چلو، تنے ہوئے غرور سے
تمھارے قافلے کی شان دیکھتی ہیں دور سے
ہمالیہ کی چوٹیاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

سلام موج گنگ لو، مجاہدان حریت
ہیں گلفشاں بہشت سے پیمبران حریت
کھلا ہے عرصۂ جہاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

خراب بادۂ خودی، مئے عمل پیے ہوئے
علم بدوش صف بہ صف کلاہ کج کیے ہوئے

مثال بحر بیکراں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بڑھے ہوئے ہوں حوصلے، چڑھی ہوئی ہو آستیں
بدل دو صورت جہاں الٹ دو صفحۂ زمیں
پلٹ دو دور آسماں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

قسم تمھارے عزم کی، فدا تمھاری شان کے
بڑھا کے ہاتھ توڑ لو ستارے آسمان کے
جھکا دو شاخ کہکشاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بنائے کہنہ توڑ دو، بناؤ اک جہان نو
جہان نو، جہان نو پہ سقف آسمان نو
نئے مکیں نئے مکاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

نہ ہو سوال این و آں، نہ ہو تمیز بحر و بر
عبث ہے خوف تیرگی، ستارے چھپ گئے اگر
چمک رہی ہیں بجلیاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

بجھے نہ شمع دل کہیں، ہوا ہے تیز باغ کی
اگر اندھیری رات ہے، بڑھا دو لو چراغ کی
گرج رہی ہیں آندھیاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

رکے نہ پائے جستجو، بچھے ہیں خار راہ میں
جھکے نہ پرچم و علم، کھڑے ہیں دار راہ میں
مثال گرد کارواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

جناب خضر پیر ہیں، لکیر کے فقیر ہیں
کماں کے ساتھ کیوں رہیں وہ حوصلے جو تیر ہیں
چو تیر جستہ از کماں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

جو عقل راہ روک دے تو اس کا ساتھ چھوڑ دو
جو مذہب آ کے ٹوک دے تو اس کی قید توڑ دو
ہوا کی طرح سرگراں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

کھلے ہیں پھول زخم کے، اجل گلے کا ہار ہے
لہو سے سرخ ہیں کفن، یہ مژدۂ بہار ہے

نثار تیغ خوں فشاں، بڑھے چلو، بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو، بڑھے چلو

درائے کارواں ہوں میں درائے کارواں سنو
مخدرات فاقہ کش کی دکھ بھری فغاں سنو
سنو پیام بیکساں، بڑھے چلو بڑھے چلو
برادران نوجواں، بڑھے چلو بڑھے چلو

غریب لال قوم کے، بلک رہے ہیں بھوک سے
خدا کا عرش ہل رہا ہے، مامتا کی ہوک سے
گرے نہ سر پہ آسماں، بڑھے چلو بڑھے چلو
برادران نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

سروں سے باندھ کے کفن بڑھے چلو بڑھے چلو
امید مادر وطن بڑھے چلو بڑھے چلو
دعائیں دے رہی ہے ماں، بڑھے چلو بڑھے چلو
برادران نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

جو راہ میں ٹھہر گئے نہیں مقام پیش وپس
جو ہم سفر بچھڑ گئے تو چھیڑو نالۂ جرس
سنو جمیل کی فغاں، بڑھے چلو بڑھے چلو
برادران نوجواں بڑھے چلو بڑھے چلو

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب علی جواد زیدی 1959

جوش ملیح آبادی

شکستِ زنداں کا خواب

کیا ہند کا زنداں کانپ رہا ہے، گونج رہی ہیں تکبیریں
اکتائے ہیں شاید کچھ قیدی اور توڑ رہے ہیں زنجیریں

دیواروں کے نیچے آ آ کر یوں جمع ہوئے ہیں زندانی
سینوں میں تلاطم بجلی کا، آنکھوں میں جھلکتی شمشیریں

بھوکوں کی نظر میں بجلی ہے توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہیں
تقدیر کے لب کو جنبش ہے دم توڑ رہی ہیں تدبیریں

آنکھوں میں گدا کی سرخی ہے، بے نور ہے چہرہ سلطاں کا
تخریب نے پرچم کھولا ہے، سجدے میں پڑی ہیں تعمیریں

کیا ان کو خبر تھی زیر و زبر رکھتے تھے جو روحِ ملت کو
ابلیں گے زمیں سے مارِ سیہ برسیں گی فلک سے شمشیریں

کیا ان کو خبر تھی سینوں سے جو خون چرایا کرتے تھے
اک روز اسی بے رنگی سے جھلکیں گی ہزاروں تصویریں

کیا ان کو خبر تھی ہونٹوں پر جو قفل لگایا کرتے تھے
اک روز اسی خاموشی سے ٹپکیں گی دہکتی تقریریں

سنبھلو کہ وہ زنداں گونج اٹھا جھپٹو کہ وہ قیدی چھوٹ گئے
اٹھو کہ وہ بیٹھیں دیواریں، دوڑو کہ وہ ٹوٹیں زنجیریں

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی 1959، ''ہندوستان ہمارا''، جلد دوم

پنڈت برج نرائن چکبست

مسز بسنٹ کے نام قوم کا پیام وفا

ہند بیدار ہوا یوں تری بیداری سے　　جیسے برسوں کا مریض اٹھتا ہے بیماری سے
قوم آزاد ہوئی تیری گرفتاری سے　　چاندنی پھیل گئی حسن وفاداری سے

تو نظر بند ہے جلوہ ہے ترا ہر گھر میں
شمع فانوس میں ہے نور ہے محفل بھر میں

حکم حاکم کا ہے فریاد زبانی رک جائے　　دل کی بہتی ہوئی گنگا کی روانی رک جائے
قوم کہتی ہے ہوا بند ہو پانی رک جائے　　پر یہ ممکن نہیں اب جوش جوانی رک جائے

ہوں خبردار جنھوں نے یہ اذیت دی ہے
کچھ تماشا یہ نہیں قوم نے کروٹ لی ہے

ہو چکی قوم کے ماتم میں بہت سینہ زنی　　اب ہو اس رنگ کا سنیاس یہ ہے دل میں ٹھنی
مادر ہند کی تصویر ہو سینے پہ بنی　　بیڑیاں پاؤں میں ہوں اور گلے میں کفنی

ہو یہ صورت سے عیاں عاشق آزادی ہیں
قفل ہے جن کی زباں پر یہ وہ فریادی ہیں

آج سے شوق وفا کا یہی جوہر ہوگا　　فرش کانٹوں کا کہیں پھولوں کا بستر ہوگا

پھول ہو جائے گا چھاتی پہ جو پتھر ہوگا　　قید خانہ جسے کہتے ہیں وہی گھر ہوگا

سنتری دیکھ کے اس جوش کو شرمائیں گے

گیت زنجیر کی جھنکار پہ ہم گائیں گے

✡

○ (منتخب بند) ماخوذاز "کلیات چکبست"

پنڈت برج نرائن چکبست

وطن کا راگ

زمین ہند کی رتبے میں عرش اعلیٰ ہے — یہ ہوم رول کی امید کا اجالا ہے
مسز بسنٹ نے اس آرزو کو پالا ہے — فقیر قوم کے ہیں اور یہ راگ مالا ہے

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

وطن پرست شہیدوں کی خاک لائیں گے — ہم اپنی آنکھ کا سرمہ اسے بنائیں گے
غریب ماں کے لئے درد دکھ اٹھائیں گے — یہی پیام وفا قوم کو سنائیں گے

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

ہمارے واسطے زنجیر و طوق گہنا ہے — وفا کے شوق میں گاندھی نے جس کو پہنا
سمجھ لیا کہ ہمیں درد و رنج سہنا ہے — مگر زباں سے کہیں گے وہی جو کہنا ہے

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

پنھانے والے اگر بیڑیاں پنھائیں گے — خوشی سے قید کے گوشے کو ہم بسائیں گے
جو سنتری درِ زنداں کے سو بھی جائیں گے — یہ راگ گا کے انھیں نیند سے جگائیں گے

طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

زباں کو بند کیا ہے یہ غافلوں کو ہے ناز
ذرا رگوں میں لہو کا بھی دیکھ لیں انداز
رہے گا جان کے ہمراہ دل کا سوز و گداز
چتا سے آئے گی مرنے کے بعد یہ آواز
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

یہی پیام ہے کوئل کا باغ کے اندر
اسی ہوا میں ہے گنگا کا زور آٹھ پہر
ہلال عید نے دی ہے یہی دلوں کو خبر
پکارتا ہے ہمالہ سے ابر اٹھ اٹھ کر
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

بسے ہوئے ہیں محبت سے جن کی قوم کے گھر
وطن کا پاس ہے ان کو سہاگ سے بڑھ کر
جو شیر خوار ہیں ہندوستاں کے لخت جگر
یہ ماں کے دودھ سے لکھا ہے ان کے سینہ پر
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم ہوم رول کے بدلے

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب علی جواد زیدی 1959، کلیات چکبست

رام سروپ چمن لکھنوی

جیل بھارت باسیوں کو دھرم شالہ ہوگیا

پھر سے بھارت ورش تیرا بول بالا ہوگیا
فیض گاندھی سے اندھیرے میں اجالا ہوگیا

ہوگیا کلجگ میں ست جگ ستیہ کے پرکاش سے
پھول کانٹوں سے نکل کر پشپ مالا ہوگیا

تم جسے سمجھے تھے اپنا ڈس لیا اس نے تمھیں
آخرش گورا تمھارے حق میں کالا ہوگیا

بے خطا چھوٹے بڑے اہل وطن مارے گئے
سرخرو تم ہوگئے منھ ان کا کالا ہوگیا

دھرم کی اب شاخ دیکھو پھولنے پھلنے لگی
با اثر ہر صابر و شاکر کا نالا ہوگیا

لیڈروں نے اس طرح سے جیل خانے بھر دیے
منھ دھواں ظالم کا جیلر کا دیوالہ ہوگیا

اے چمن یہ دیکھ لینا لے کے نکلیں گے سوراج
جیل بھارت باسیوں کو دھرم شالہ ہوگیا

○ ماخوذ از ''بسمل کی تڑپ اور کسانوں کی درد شا'' مرتبہ: رام سروپ چمن لکھنوی، مطبوعہ رام سناتن پریس، لکھنؤ 1930،
''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز، ''آزادی کے ترانے''، نیشنل میوزیم

حسرت موہانی

تلک

اے تلک اے افتخار جذبۂ حب وطن
حق شناس و حق پسند و حق یقین و حق سخن

تجھ سے قائم ہے بنا آزادی بے باک کی
تجھ سے روشن اہل اخلاص و صفا کی انجمن

سب سے پہلے تو نے کی برداشت اے فرزند ہند
خدمت ہندوستاں میں کلفت قید محن

ذات تیری رہنمائے راہ آزادی ہوئی
تھے گرفتار غلامی ورنہ یاران وطن

تو نے خود داری کا پھونکا اے تلک ایسا فسوں
یک قلم جس سے خوشامد کی مٹی رسم کہن

ناز تیری پیروی پر حسرت آزاد کو
اے تجھے قائم رکھے تا دیر رب ذوالمنن

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی، 1959

حسرت موہانی

چکی کی مشقت

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

جو چاہو سزا دے لو تم اور بھی کھل کھیلو
پر ہم سے قسم لے لو، کی ہو جو شکایت بھی

دشوار ہے رندوں پر انکار کرم یکسر
اے ساقی جاں پرور کچھ لطف و عنایت بھی

رکھتے ہیں میرے دل پر کیوں تہمت بے تابی
یاں نالۂ مضطر کی جب مجھ میں ہو قوت بھی

اے شوق کی بے باکی وہ کیا تری خواہش تھی
جس پر انھیں غصہ ہے، انکار بھی، حیرت بھی

ہر چند ہے دل شیدا حریت کامل کا
منظور دعا لیکن ہے قید محبت بھی

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

روش صدیقی

بیداری مشرق

انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب
وقت آیا ہے کہ اٹھے روئے گیتی سے نقاب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

اے جمال شمع آزادی کے پروانو! اٹھو
سو چکے اے قصر ملت کے نگہبانو! اٹھو
بادۂ بیداری مشرق کے مستانو! اٹھو
اب جگا بھی دو بہت کچھ سو چکا ہے آفتاب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

نوجوانو! اب نشاط کنج تنہائی کہاں؟
اے شجاعو! تم کہاں یہ عیش پیمائی کہاں؟
پھونک دو محفل کو وقت محفل آرائی کہاں؟
دور پھینکو ساغر و پیمانہ و چنگ و رباب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

زندگی، تابندگی ہے روح آزادی کے ساتھ

زندگی، پائندگی ہے روح آزادی کے ساتھ
زندگی ہی زندگی ہے روح آزادی کے ساتھ
زندہ رہنا ہے تو آزادی سے کیسا اجتناب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

اب بھی آنکھوں میں تمھاری رنگ غفلت دیدہ ہے!
خواب مستقبل کی ہر تعبیر ناپوشیدہ ہے!
انتظار صبح کیسا! صبح خود خوابیدہ ہے!
تم ہی خود بڑھ کر الٹ دو مہرزریں کا نقاب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

برق ہو آنکھوں میں، دل میں آتش پروانہ ہو
ہوش بھی آئے تو لب پر نعرۂ مستانہ ہو
خامشی میں جرأت بیدار کا افسانہ ہو
زندگی کب تک اسیر اعتکاف و احتساب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

زیست کی قیمت ہی کیا ہے پیش مردان وفا
کوئی پوچھے کربلا سے ، راز پیمان وفا
ہاں دکھا دو اے شجاعو! جوش ارمان وفا
بے حدود و بے کنار و بے شمار و بے حساب
انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

دردِ ملت لے کے اے ملت کے غم خوارو چلو!
اے جوانو! اے دلیرو، اے رضا کارو چلو!
منتظر ہے رحمتِ یزداں، وفادارو چلو
یوں ہی کھل جاتے ہیں اکثر قصرِ آزادی کے باب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

سرخیِ خونِ وفا سے زندگی گل ریز ہے
غیرتِ مزدور، برقِ خرمنِ پرویز ہے
جس کا تیشہ آج شعلہ بار و آتش خیز ہے
ہاں وہی ہے کامران و کامگار و کامیاب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

شرم آئے اپنی ناکامی پہ استبداد کو
اب نہ صیادی کی جرأت ہو کسی صیاد کو
تیز کردو شعلہ ہائے فطرتِ آزاد کو
بجلیوں سے سیکھ لو رازِ سکون و اضطراب
انقلاب! اے ساکنانِ ارضِ مشرق! انقلاب

آسمانِ سرفروشی کے ستاروں کی قسم!
پاک بازوں کی قسم، شب زنده داروں کی قسم!
تم کو ناموسِ وطن کے جاں نثاروں کی قسم!

جاگ اٹھو، دیکھو گے کب تک یوں ہی امیدوں کے خواب

انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

جاں نثاران وطن ہیں وارث دارالسلام

ہے بہت اونچا وطن پر مرنے والوں کا مقام

لیکن اس منزل میں اقدام تشدد ہے حرام

تیغ اخلاق و صداقت ہی ہے تیغ کامیاب

انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

ہوشیار! اے غافلان حال برباد وطن!

ڈھونڈتی پھرتی ہے تم کو روح ناشاد وطن!

گر ہوا اب بھی نہ تم کو پاس فریاد وطن!

آہ! کیا دو گے وطن کے ذرے ذرے کو جواب

انقلاب! اے ساکنان ارض مشرق! انقلاب

✿

○ ماخوذ از ''ہندوستان ہمارا'' جلد دوم

کشن چند زیبا

خون کی تڑپ

کیا ہوا چلتی ہے تلوار دو دھارا ہوکر
حوصلہ مجھ کو بچائے گا کنارہ ہوکر
قوم کے واسطے یہ جان جو مٹ جائے گی
نام چمکے گا میرے بعد ستارہ ہوکر
مر کے مٹی سے بھی نکلے گی صداہائے وطن
چل گئی سیس پہ بیداد جو آرہ ہوکر
مر کے بھی درد نہ بھارت کا مٹے گا دل سے
خون تڑپے گا میرا جوش سے پارہ ہوکر

○ ماخوذاز ''ضبط شدہ نظمیں''، نیشنل میوزیم

ساغر نظامی

ترانہ

اے وطن اے وطن اے وطن

جان من جان من جان من

ذرے ذرے میں محفل سجادیں گے ہم   تیرے دیوار و در جگمگا دیں گے ہم

تجھ کو ہستی کا گلشن بنادیں گے ہم   آسمانوں پہ تجھ کو بٹھادیں گے ہم

بن کے دشمن ترا جو اٹھے گا یہاں

اس کو تحت الثریٰ میں گرادیں گے ہم

اور تحت الثریٰ کو فنا کے سمندر میں ارتھی بنا کر بہادیں گے ہم

اے وطن اے وطن

سن لیں یہ انس و جان و زمین و زمن

اے وطن اے وطن اے وطن

جان من جان من جان من

سونے والوں کو اک دن جگادیں گے ہم   رسم و راہ غلامی مٹادیں گے ہم

بربریت کے ٹکڑے اڑادیں گے ہم   آسمان و زمیں کو ہلادیں گے ہم

کون کہتا ہے کمزور، نربل ہے تو

ہر طرف خوں کے دریا بہا دیں گے ہم
جس طرف سے پکارے گی روحِ وطن، اس طرف ہی وفا کی صدا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن
سر سے باندھے ہوئے ہیں کفن ہی کفن
اے وطن اے وطن اے وطن
جانِ من جانِ من جانِ من

تیری ہستی ہمالہ کی چوٹی بنی ماہ و خورشید کی اس پہ بندی لگی
روشنی شرق سے غرب تک ہوگئی سجدے میں جھک گئی عظمت زندگی

عظمت زندگی کی قسم ہے ہمیں
تیری عزت پہ سر تک کٹا دیں گے ہم
وقت آنے دے اے ماں! ترے نام پر اپنی ہستی و مستی مٹا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن
خون سے اپنے بھر دیں گے گنگ و جمن
اے وطن اے وطن اے وطن
جانِ من جانِ من جانِ من

مست و خوشبو ہواؤں سے شیتل ہے تو مادھری ہے منوہر ہے کومل ہے تو
پریم مدرا کی لبریز چھاگل ہے تو سر پہ دنیا کے رحمت کا بادل ہے تو

آنکھ اٹھا کے جو دیکھا کسی نے تجھے

چھاؤنی اپنی لاشوں کی چھا دیں گے ہم

تیرے پاکیزہ پیکر کو روحوں کی باریک چادر کے نیچے چھپا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن

تجھ پہ قرباں زر و مال اور جان و تن

اے وطن اے وطن اے وطن

جان من جان من جان من

تیری ندیاں رسیلی مدھر نغمہ خواں تیرے پربت تری عظمتوں کے نشاں

تیرے جنگل بھی ہنستے ہوئے گلستاں تیرے گلشن بھی رشک بہار جناں

تیری مٹی میں خوشبو کی فردوس ہے

تیرے ذروں کو سورج بنا دیں گے ہم

جو بھی پوچھے گا جنت کا ہم سے پتہ راہ کشمیر اس کو بتا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن

تو چمن در چمن ہے عدن در عدن

اے وطن اے وطن اے وطن

جان من جان من جان من

گلشن عیش و آرام و راحت ہے تو بے کسی میں کنار محبت ہے تو

بے بسوں اور غلاموں کی دولت ہے تو زندگی کے جہنم میں جنت ہے تو

سینچ کر خون دل سے تری کیاریاں

اور بھی تجھ کو جنت بنا دیں گے ہم
ذرے ذرے میں تیری نئی آرزوؤں کے جاوید گلشن کھلا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن
ہم ترے پھول ہیں تو ہمارا چمن
اے وطن اے وطن اے وطن
جان من جان من جان من

جس کا پانی ہے امرت وہ مخزن ہے تو — جس کے دانے ہیں بجلی وہ خرمن ہے تو
جس کے کنکر ہیں ہیرے وہ معدن ہے تو — جس سے جنت ہے دنیا وہ گلشن ہے تو
دیویوں دیوتاؤں کا مسکن ہے تو
تجھ کو سجدوں سے کعبہ بنا دیں گے ہم
تیری پاکیزہ دھرتی کو امن و محبت کا آکاش مندر بنا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن
ہر ستارے سے پھوٹے گی تیری کرن
اے وطن اے وطن اے وطن
جان من جان من جان من

یہ ستارے یہ نکھرا ہوا آسماں — آسماں سے ہمالہ کی سرگوشیاں
یہ تری عظمتوں کا اٹل رازداں — مستقل ، معتبر ، محتشم ، جاوداں
اس کی چوٹی سے مظلوم دنیا کو پھر

ہم پیام حیات و وفا دیں گے ہم

ہم محبت کا نغمہ سنا دیں گے ہم، ہم زمانے کا جینا سکھا دیں گے ہم

اے وطن اے وطن

ہم بجھا دیں گے شمع نظام کہن

اے وطن اے وطن اے وطن

جان من جان من جان من

✡

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ 1959

ساغر نظامی

عہد

جب طلائی رنگ سکوں کو نچایا جائے گا
جب مری غیرت کو دولت سے لڑایا جائے گا

جب رگ افلاس کو میری دبایا جائے گا
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
اور اپنے پاؤں سے انبار زر ٹھکراؤں گا

جب مجھے پیڑوں سے عریاں کر کے باندھا جائے گا
گرم آہن سے مرے ہونٹوں کو داغا جائے گا

جب دہکتی آگ پر مجھ کو لٹایا جائے گا
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
تیرے نغمے گاؤں گا اور آگ پر سو جاؤں گا

اے وطن جب تجھ پہ دشمن گولیاں برسائیں گے
سرخ بادل جب فضاؤں پر تری چھا جائیں گے

جب سمندر آگ کے برجوں سے ٹکر کھائیں گے

اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
تیغ کی جھنکار بن کر مثلِ طوفاں آؤں گا

گولیاں چاروں طرف سے گھیر لیں گی جب مجھے
اور تنہا چھوڑ دے گا جب مرا مرکب مجھے

اور سنگینوں پہ چاہیں گے اٹھانا تب مجھے
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
مرتے مرتے اک تماشائے وفا بن جاؤں گا

خون سے رنگین ہوجائے گی جب تیری بہار
سامنے ہوں گی مرے جب سرد نعشیں بے شمار

جب مرے بازو پہ سر آکر گریں گے بار بار
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
اور دشمن کی صفوں پر بجلیاں برساؤں گا

جب درِ زنداں کھلے گا برملا میرے لیے
انتہائی جب سزا ہوگی روا میرے لیے

ہر نفس جب ہوگا پیغامِ قضا میرے لیے
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
بادہ کش ہوں زہر کی تلخی سے کیوں گھبراؤں گا

حکم آخر قتل گہہ میں جب سنایا جائے گا
جب مجھے پھانسی کے تختہ پر چڑھایا جائے گا

جب یکا یک تختۂ خونی ہٹایا جائے گا
اے وطن اس وقت بھی میں تیرے نغمے گاؤں گا
عہد کرتا ہوں کہ میں تجھ پر فدا ہو جاؤں گا

✿

○ ماخوذاز'' آزادی کی نظمیں'' مرتبہ: سبط حسن۔ناشر: حلقۂ ادب، لکھنؤ1940،
'' ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز۔اندراج نمبر1712،'' آزادی کے ترانے'' مرتب: راجیش کمار پرتی،
نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی1986

سرجو

جلیانوالہ باغ

بے گناہوں پر بموں کی بے خطر بوچھار کی
دے رہے ہیں دھمکیاں بندوق اور تلوار کی
باغ جلیاں میں نہتوں پر چلائیں گولیاں
پیٹ کے بل بھی رینگا یا ظلم کی حد پار کی
ہم غریبوں پر کیے جس نے ستم بے انتہا
یاد بھولے گی نہیں اس ڈائر بدکار کی
یا تو ہم ہی مر مٹیں گے یا تو لے لیں گے سوراج
ہوتی ہے اس بار حجت ختم اب ہر بار کی
شور عالم میں مچا ہے لاجپت کے نام کا
خوار کرنا ان کو چاہا اپنی مٹی خوار کی
جس جگہ پر بند ہوگا شیر نر پنجاب کا
آبرو بڑھ جائے گی اس جیل کی دیوار کی
جیل میں بھیجا ہمارے لیڈروں کو بے قصور

لارڈ ریڈنگ تم نے اچھی نیائے کی بھرمار کی

خونِ مظلوماں کی سر جواب تو گہری دھار ہے

کچھ دنوں میں ڈوبتی ہے آبرو اغیار کی

۞

○ ماخوذ از ''ضبط شدہ نظمیں''

سرجو

والنٹیر بنو

بھارت کے شیر جاگو، بدلا ہے اب زمانہ
والنٹیر بنو تم، اب چھوڑ دو بہانہ
اب بزدلی نہ ہرگز، تم پاس دو پھٹکنے
آخر تو دم عدم کو ہوگا کبھی روانہ
دیوی سوتنترتا کی، ویرو بنو اپاسک
اب پروجوں کا اپنے، گرنام ہے چلانا
پردیسیوں کے اس دم، کپڑے جو ہیں پہنتے
ان کو حرام سمجھو، بھارت کا ان کھانا
ماتا کی کوکھ ناحق، کرتے ہو تم کلنکت
پیارے وطن کو اس دم آزاد ہے بنانا
دل میں جھجک نہ لاؤ، آگے قدم بڑھاؤ
ہے سورگ کے برابر، اس وقت جیل جانا
سرجو، سمے یہی ہے، کچھ کر لو دیش سیوا
دو دن کی زندگی ہے، ان کا کہاں ٹھکانا

○ ماخوذ از ''آزادی کے گیت''، شائع کردہ محکمۂ اطلاعات، اتر پردیش لکھنؤ 1972

سید احتشام حسین

یہ نظام کہنہ

ہم نشیں کھٹکی تو ہوگی تجھ کو بھی یہ ایک بات
کب سے گھیرے ہے نظام کہنہ کو تاریک رات

اس شب تاریک کی آغوش میں ہے وہ جہاں
جس جگہ اڑتی ہیں عدل و حریت کی دھجیاں

روپیے سے رات دن چلتا ہے جس کا کاروبار
سیم و زر سے جس جگہ ہوتے ہیں رشتے استوار

دام لگتے ہیں زبانی جس جگہ اعمال کے
جس جگہ چلتے ہیں سکے تک خفیف اقوال کے

جس جگہ مفلس کھڑے ہیں کارواں در کارواں
حکمراں ہیں جس جگہ زردار کی عیاریاں

جس جگہ انسانیت کا حال ہے زارو زبوں
چوستا ہے جس جگہ انسان خود انساں کا خوں

جس جگہ قانون کے ڈر سے زباں ہلتی نہیں
جس جگہ بیمار مفلس کو دوا ملتی نہیں

جس جگہ بے کار امیروں کی چمکتی ہے جبیں
جس جگہ محنت کا پھل مزدور کو ملتا نہیں

جس جگہ آگے نکلنا ہے دلیل گم رہی
جس جگہ تاریخ دھراتی ہے افسانہ وہی

فطرت انسان جس جا روشنی پاتی نہیں
جس جگہ علم وادب میں تازگی آتی نہیں

نوجوانوں کو جہاں ملتی نہیں بڑھنے کی راہ
جس جگہ ترک مراسم کو سمجھتے ہیں گناہ

جس جگہ ہر لمحہ پابندی ہے اہل ہوش پر
قیمت تہذیب ہے خود غرضیوں کی دوش پر

ہے جہانگیری جہاں جمہوریت کے بھیس میں
جنگ اپنے واسطے ہے دوسروں کے دیس میں

آگیا وہ وقت خود ہو اپنی ہستی سے خجل
یہ نظام کہنہ بنیادیں ہیں جس کی مضمحل

اس کی بنیادوں پہ تیشہ مارنے کی دیر ہے
نوجواں تیار ہیں للکارنے کی دیر ہے

ملک پر غیروں کاڈیرا ختم ہوتا ہی نہیں
کیا قیامت ہے اندھیرا ختم ہوتا ہی نہیں

طاقت پرواز ہے اور آشیاں پر قید ہے
حوصلے بیدار ہیں لیکن زباں پر قید ہے
وقت کی آواز ہے ہم کو ابھرنا چاہیے
اس تضاد زندگی کو ختم کرنا چاہیے
جس نے روکا ہے ترقی سے یہی زنجیر ہے
اس نظام کہنہ کی تخریب بھی تعمیر ہے

○ ماخوذ از ''ضبط شدہ نظمیں''، نیشنل میوزیم

صفی لکھنوی

اتنا ہی وہ ابھریں گے جتنا کہ دبادیں گے

زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو ہلا دیں گے
مشرق کا سرا لے کر مغرب سے ملا دیں گے

ہم سینۂ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ
شعلے بھڑک اٹھیں گے جھونکے جو ہوا دیں گے

مزدور ہوں دہقاں ہوں ہندو ہوں مسلماں ہوں
سب ایک تو ہوجاؤ پھر ان کو دکھا دیں گے

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں لیکن
وقت آنے دو وقت آنے پر پھر ان کو دکھا دیں گے

مزدور کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دبادیں گے

مزدور کے نالوں سے آتش بھڑک اٹھے گی
چلتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگادیں گے

تاریکی غفلت میں ہیں جو کہ پڑے سوتے
یہ نظم صفی پڑھ کر ہم ان کو جگا دیں گے

⚙

○ ماخوذ از ماہنامہ رسالہ "کرتی"، امرتسر، جنوری 1930، ضبط شدہ ادبیات، نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 2326، "آزادی کے ترانے"، نیشنل میوزیم

ظفر علی خاں

تخت یا تختہ

نکہت گل کے عوض دوش صبا پراب کی بار
بوئے جان گلشن میں لائی ہے بہار انقلاب
وضع عالم میں تغیر کے ہویدا ہیں نشاں
جوش میں ہے جذبۂ بے اختیار انقلاب
پھوٹنے والی ہے آزادی کے سورج کی کرن
اٹھ رہا ہے پردہ شب ہائے تار انقلاب
خیرہ ہوجانے کو ہے بینائی استبداد کی
سر پر آچمکی ہے تیغ آبدار انقلاب
سر بکف میدان میں آپہنچے جوانان وطن
جن کی قربانی پہ ہے دارومدار انقلاب
خاک میں مل جائے گا سرمایہ داری کا غرور
گر یہی ہے گردش لیل و نہار انقلاب

وقت آپہنچا کہ یا مرجاؤ یا آزاد ہو!
تخت یا تختہ ہے حکم تاجدار انقلاب

○ ماخوذ از "آزادی کی نظمیں"

ظفر علی خاں

انقلاب ہند

بارہا دیکھا ہے تو نے آسماں کا انقلاب
کھول آنکھ اور دیکھ اب ہندوستاں کا انقلاب
مغرب و مشرق نظر آنے لگے زیر و زبر
انقلاب ہند ہے سارے جہاں کا انقلاب
کر رہا ہے قصر آزادی کی بنیاد استوار
فطرت طفل و زن و پیرو جواں کا انقلاب
صبر والے چھا رہے ہیں جبر کی اقلیم پر
ہوگیا فرسودہ شمشیر و سناں کا انقلاب

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی 1959

عرش ملسیانی

انقلاب

آستان دیو استبداد پر جھک نہیں سکتی جبین انقلاب
آسماں کے جور سے جو تنگ ہوں ان کا مامن ہے زمین انقلاب
ہے شہیدان وطن کی یاد میں خون سے تر آستین انقلاب
صاحب خرمن ہیں دنیا میں وہی جو رہے ہیں خوشہ چین انقلاب
جام زہراب قدامت چھوڑ کر ہم پئیں گے انگبین انقلاب
ہے غلاموں کا خدا عزم بلند دین مظلوموں کا دین انقلاب

اے قدامت کیش تو بھی تو بدل
ہے اگر تجھ کو یقین انقلاب

✿

○ ماخوذ از "اردو میں قومی شاعری کے سو سال" مرتب علی جواد زیدی 1959

علی جواد زیدی

سیاسی[1] قیدی کی رہائی

مبارک باد تم کو آج میں کیا دوں رہائی پر
نکل پڑتے ہیں آنسو ملک کی بے دست وپائی پر

"رہائی" لفظ بے معنی ہے دنیائے غلامی میں
بسر ہوتی ہے ساری زندگی قید دوامی میں

ہر اک گوشے پہ قیدو بند کے قانون حاوی ہیں
یہاں نوعیتیں آزاد و قیدی کی مساوی ہیں

گر آوازیں اٹھائیں بھی کبھی سرکش جوانوں نے
سزائے قید دی امن و اماں کے پاسبانوں نے

کوئی بھی ان کے چنگل سے نکل کر جا نہیں سکتا
کہیں بھی ہو اماں ان رہزنوں سے پا نہیں سکتا

پنپنے ہی نہیں دیتے یہاں نخل جوانی کو
جکڑ رکھا ہے زنجیروں میں ساری زندگانی کو

[1] قاضی جلیل عباسی جو زیدی ہی کے ساتھ قید تھے مگر ان سے کچھ دنوں پہلے رہا ہوئے۔

تمناؤں پہ سنگینوں کی خونخواری کے پہرے ہیں
وفور شوق کے دل پر ستم کے زخم گہرے ہیں

دبی ہے ظلم کے پہیے کے نیچے روح آزادی
بھنور میں پھنس گئی ہے سارے ہندستاں کی آبادی

رکا ہے سارا ہندستاں مگر قانون[2] جاری ہے
اسی کا دور دورہ ہے اسی کی روبکاری ہے

رہا ہو کر اسی قانون کی گودی میں جانا ہے
تمھیں پھر گھوم پھر کر محفل زنداں میں آنا ہے

دل صیاد کو ہر دم خیال صید رہتا ہے
رہائی میں بھی صد پیغام بندو قید رہتا ہے

ہمارا ملک اک زندان بے دیوار ہے، ہمدم!
یہاں ہر اک قدم پر امتحان دار ہے، ہمدم!

✿

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، لکھنؤ 1959
2 ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ

غلام احمد فرقت

نعرۂ آزادی

انقلاب انگیز نغموں کے ترنم کی قسم
آسمان حریت کے ماہ و انجم کی قسم
دار پر اشفاق[1] کے رنگیں تبسم کی قسم
اور عدالت میں بھگت سنگھ[2] کے تکلم کی قسم

میرے ہندستاں! یہ زنجیر غلامی توڑ دے

اس مجاہد کی قسم جو پھول سمجھے خار کو
اپنے دل کا درد جانے قوم کے آزار کو!
ارتقا کا زینۂ اول جو سمجھے دار کو
بڑھ کے میدان عمل میں چوم لے تلوار کو!

میرے ہندستاں! یہ زنجیر غلامی توڑ دے

پھونک دیں جو قصر وایواں ان شراروں کی قسم
جو دیے دل میں جلادیں ان اشاروں کی قسم

[1] اشفاق اللہ مشہور انقلابی جنھیں پھانسی کی سزا دی گئی۔
[2] ہندستانی انقلابیوں کے روح رواں جنھیں جرم وطن پروری میں تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔

حریت کے باغ کی تازہ بہاروں کی قسم
خون سے دشمن کے رنگیں لالہ زاروں کی قسم
میرے ہندستاں! یہ زنجیر غلامی توڑ دے

عہد ماضی کی مبارک داستانوں کی قسم
بسمل و آزاد کے زندہ فسانوں کی قسم
دیس پر مر مٹنے والے نوجوانوں کی قسم
تجھ کو اپنے شاعروں، شیوابیانوں کی قسم
میرے ہندستاں! یہ زنجیر غلامی توڑ دے

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی لکھنؤ 1959

فیض احمد فیض

بول

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے
تیرا ستواں جسم ہے تیرا
بول کہ جاں اب تک ہے تیری
دیکھ کہ آہنگر کی دکاں میں
تند ہیں شعلے سرخ ہیں آہن
کھلنے لگے قفلوں کے دہانے
پھیلا ہر اک زنجیر کا دامن
بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے
جسم و زباں کی موت سے پہلے
بول کہ سچ زندہ ہے اب تک
بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

✿

○ ماخوذ از "نقش فریادی"، فیض احمد فیض، 1946

لااعلم

بھارت نہ رہ سکے گا ہرگز غلام خانہ

بھارت نہ رہ سکے گا، ہرگز غلام خانہ
آزاد ہوگا، ہوگا، آتا ہے وہ زمانہ
اب بھیڑ اور بکری، بن کر نہ ہم رہیں گے
اس پست ہمتی کا، ہوگا کہیں ٹھکانا
خوں کھولنے لگا ہے، ہندوستانیوں کا
کردیں گے ظالموں کا، اب بند ظلم ڈھانا
پرواہ اب کسے ہے، اس جیل اور دمن کی
اک کھیل ہوگیا ہے، پھانسی پہ جھول جانا
قومی ترنگے جھنڈے پر، دل فدا ہے اپنا
ہندو، مسیحی، مسلم، گاتے ہیں یہ ترانہ
بھارت وطن ہے اپنا، بھارت کے ہم ہیں بچے
بھارت کے واسطے ہے، منظور سر کٹانا

✿

○ ماخوذ از ''آزادی کے گیت''، شائع کردہ محکمۂ اطلاعات، اتر پردیش لکھنؤ 1972

لاعلم

سر ہتھیلی پہ لیے بیٹھے ہیں

ادھر صیاد لیے تیغ و تبر بیٹھے ہیں
ادھر ہم کھولے ہوئے سینہ سپر بیٹھے ہیں
وار ہوں گولیوں کے، چاہے ہوں تلواروں کے
ڈر ہمیں مطلق نہیں، ہم ہو کے نڈر بیٹھے ہیں
ہم تو تیار ہیں، من مانے ظلم کرلیں وہ
گر اسی بات پہ وہ باندھے کمر بیٹھے ہیں
اب تو شانتی کا ہے سنگرام چھڑ گیا ان سے
سر ہتھیلی پر لیے ہم تو ادھر بیٹھے ہیں
ظلم کی ہستی مٹادیں گے، دیکھ لینا پرکاش
کیا ہوا، ہم کو مٹانے وہ اگر بیٹھے ہیں

✿

○ ماخوذ از ''آزادی کے گیت''، شائع کردہ محکمہ اطلاعات اتر پردیش لکھنؤ 1972

لاعلم

بسنتی چولا

میرا رنگ دے بسنتی چولا، میرا رنگ دے بسنتی چولا

اسی رنگ میں ویر جواہر نے، جیل کا پھاٹک کھولا، میرا رنگ دے

اسی رنگ میں دت، بھگت نے چھوڑا بم کا گولا، میرا رنگ دے

اسی رنگ میں بھگت سنگھ نے پھانسی کا تختہ جھولا، میرا رنگ دے

✡

○ ماخوذ از ''آزادی کے گیت''، شائع کردہ محکمہ اطلاعات اتر پردیش لکھنؤ 1972

لااعلم

چلو جیل خانے، چلو جیل خانے

سنو گوش دل سے ذرا یہ ترانے انوکھے نرالے ہیں جنگی فسانے
کہیں شور ماتم کہیں شادیانے اسی طرح کٹتے رہیں گے زمانے
کرو تھوڑی ہمت نہ ڈھونڈو بہانے
چلو جیل خانے، چلو جیل خانے

تمہاری صدا کوئی مانے نہ مانے مگر تم یہ جا کر کہو ہر ٹھکانے
کہ ہر شخص اپنے فریضوں کو جانے بلا سے جو چھٹ جائیں اپنے بگانے
کرو تھوڑی ہمت نہ ڈھونڈو بہانے
چلو جیل خانے، چلو جیل خانے

خدا نے رسولوں کو بھی آزمایا بلا کی کسوٹی پر ان کو کسایا
صداقت نے جب مدعی تم کو پایا پئے آزمائش ہے یہ وقت آیا
کرو تھوڑی ہمت نہ ڈھونڈو بہانے
چلو جیل خانے، چلو جیل خانے

سمجھتے تھے ذلت کا گھر جیل خانا کہ تھا چور، بدکار کا یہ ٹھکانا

ہوا جب سے واں پیشواؤں کا جانا بنا فخر و عزت کا یہ اک خزانہ

کرو تھوڑی ہمت نہ ڈھونڈو بہانے

چلو جیل خانے، چلو جیل خانے (وطن کا راگ 1931)

○ ماخوذ از ''ضبط شدہ نظمیں''، نیشنل میوزیم

لااعلم

بھگت سنگھ اور دت

سختیوں سے باز آ او حاکم بیداد گر
درد دل اس طرح درد لادوا ہوجائے گا

باعث ناز وطن ہیں دت، بھگت سنگھ اور داس
ان کے دم سے نخل آزادی ہرا ہوجائے گا

تو نہیں سنتا اگر فریاد مظلوماں نہ سن
مت سمجھ یہ بھی مگر بہرا خدا ہوجائے گا

زعم ہے تجھ کو کہ تیرا کچھ نہیں سکتے بگاڑ
جیل میں گر مر بھی جائیں گے تو کیا ہو جائے گا

یاد رکھ مہنگی پڑے گی ان کی قربانی تجھے
سر زمین ہند میں محشر بپا ہو جائے گا

جاں بحق ہوجائیں گر شدت سے بھوک اور پیاس کی
او ستم گر جیل خانہ کربلا ہوجائے گا

خاک میں مل جائے گا اس بات سے تیرا وقار
اور سر اقوام میں نیچا ترا ہوجائے گا

دے گی اہل قوم کو درس شہادت ان کی موت
بچہ بچہ ہند میں درد آشنا ہوجائے گا
ظالم و جابر سب اپنی موت مرجائیں گے آپ
دہر سے مفقود جور ناروا ہوجائے گا

○ ماخوذاز ”ضبط شدہ نظمیں“، نیشنل میوزیم

لاعلم

شہیدوں کی چتاؤں پر

عروج کامیابی پر کبھی ہندوستاں ہوگا
رہا صیاد کے ہاتھوں سے اپنا آشیاں ہوگا
چکھائیں گے مزا بربادی گلشن کا گلچیں کو
بہار آجائے گی اس دن جب اپنا باغباں ہوگا
وطن کی آبرو کا پاس دیکھیں کون کرتا ہے
سنا ہے آج مقتل میں ہمارا امتحاں ہوگا
جدا مت ہو مرے پہلو سے اے درد وطن ہرگز
نہ جانے بعد مردن میں کہاں اور تو کہاں ہوگا
یہ آئے دن کی چھیڑ اچھی نہیں اے خنجر قاتل
بتا کب فیصلہ ان کے ہمارے درمیاں ہوگا
شہیدوں کی چتاؤں پر لگیں گے ہر برس میلے
وطن پر مرنے والوں کا یہی باقی نشاں ہوگا
کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ جب سوراج دیکھیں گے
جب اپنی ہی زمیں ہوگی اور اپنا آسماں ہوگا

❁

○ ماخوذاز ''کرانتی گیتا نجلی'' مرتبہ وناشر، ہلاس ورما پریمی، بھارتیہ پریس، دہرہ دون 1930، ضبط شدہ ادبیات، نیشنل آرکائیوز، اندراج نمبر 1773

لاعلم

آگے بڑھیں گے

وہ بجلی سی چمکی وہ ٹوٹا ستارہ
وہ شعلہ سا لپکا وہ تڑپا شرارہ
جنون بغاوت نے دل کو ابھارا
بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

گرجتی ہیں توپیں گرجنے دو ان کو
دہل بج رہے ہیں تو بجنے دو ان کو
جو ہتھیار سجتے ہیں تو سجنے دو ان کو
بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

کدالوں کے پھل دوستو تیز کر لو
محبت کے ساغر کو لبریز کر لو
ذرا اور ہمت کو مہمیز کر لو
بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

وزارت کی منزل ہماری نہیں ہے
یہ آندھی ہے باد بہاری نہیں ہے
زرہ ہم نے تن سے اتاری نہیں ہے

بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

حکومت کے پندار کو توڑنا ہے
اسیر و گرفتار کو چھوڑنا ہے
زمانے کی رفتار کو موڑنا ہے

بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

چٹانوں میں راہیں بنانا پڑیں گی
ابھی کتنی کڑیاں اٹھانا پڑیں گی
ہزاروں کمانیں جھکانا پڑیں گی

بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

حدیں ہوچکیں ختم بیم و رجا کی
مسافت ہے اب عزم صبر آزما کی
زمانے کے ماتھے پہ ہے تابناکی

بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

افق کے کنارے ہوئے ہیں گلابی
سحر کی نگاہوں میں ہے برق تابی
قدم چومنے آئی ہے کامیابی

بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

مصائب کی دنیا کو پامال کر کے
جوانی کی شکلوں میں تپ کے نکھر کے

ذرا نظمِ گیتی سے اونچے ابھر کے
بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے
مہکتے ہوئے مرغزاروں سے آگے
لچکتے ہوئے آبشاروں سے آگے
بہشت بریں کی بہاروں سے آگے
بڑھیں گے ابھی اور آگے بڑھیں گے

○ ماخوذ از ''آزادی کی نظمیں''

ماھر

ہے لازم ہند کو آزاد کرنا

ہمارے قول کو بھی یاد کرنا — ہمیں ہے ملک کو آزاد کرنا
وطن کے واسطے گر سر ہو کٹتا — تو کٹ جائے نہ تم فریاد کرنا
ہو تم آزاد یہ اعلان کردو — غلامی کو نہ ہرگز یاد کرنا
اگر مرنا تمھیں بہر وطن ہے — نہ مرتے وقت بھی فریاد کرنا
وطن کے واسطے بر تختۂ دار — نہ ہرگز شکوۂ بیداد کرنا
بوقت امتحان عزت ملک — طبیعت کو نہ تم ناشاد کرنا
اٹھائے رہنا سر بہر وطن تم — جھکا کر مت اسے برباد کرنا
مٹا کر جنگ آزادی میں خود کو — ابھاگے ہند کو آزاد کرنا
قفس میں عندلیبو گھٹ کے مرنا — و لے مت عاجزی صیاد کرنا

کہے جاتا ہے یہ ہر بار ماہر
ہے لازم ہند کو آزاد کرنا

○ ماخوذ از ''ینگ کامریڈ''، لاہور 24 فروری 1930 (پھانسی نمبر)، ''ضبط شدہ ادبیات''، نیشنل آرکائیوز۔ اندراج نمبر 2494، 'آزادی کے ترانے''، نیشنل میوزیم

اسرار الحق مجاز

بدیسی مہمان سے

مسافر بھاگ وقت بے کسی ہے　　ترے سر پر اجل منڈلا رہی ہے
تری جیبوں میں ہیں سونے کے توڑے　　یہاں ہر جیب خالی ہو چکی ہے
یہ عالم ہو گیا ہے مفلسی کا　　کہ رسم میزبانی اٹھ چکی ہے
نہ دے ظالم فریب چارہ سازی　　یہ بستی تجھ سے اب تنگ آ چکی ہے

مناسب ہے کہ اپنا راستہ لے
وہ کشتی دیکھ ساحل سے لگی ہے

گھٹا جو اس سمندر سے اٹھی ہے　　در خوش آب بھی برسا چکی ہے
مگر اب اس کا عالم ہی جدا ہے　　یہ بدلی آگ برساتی اٹھی ہے
ستارہ صبح کا بے نور ہے اب　　درودیوار پر دھوپ آ چکی ہے
حجابات تعصب اٹھ رہے ہیں　　حقیقت جلوہ فرما ہو رہی ہے
نسیم نرم رو اس گلستاں کی　　سموم دشت پیما بن چکی ہے
بگولے اٹھ رہے ہیں بڑھ رہے ہیں　　فضائے دہر میں ہلچل مچی ہے
زباں پر آئے گی جو آگ بن کر　　وہ شے سینوں میں کروٹ لے رہی ہے
مرتب اک نیا دستور ہوگا　　بنا اک دور نو کی پڑ رہی ہے

ہلی جاتی ہے بنیاد قدامت جوانی ہوش میں آئی ہوئی ہے
یہاں ہر شاخ شمشیر برہنہ گلوں سے خون کی بو آ رہی ہے
یہاں کے آسمان آتشیں پر بغاوت کی گھٹا منڈلا رہی ہے
یہاں سے ایک طوفان چل رہا ہے
یہاں سے ایک آندھی اٹھ رہی ہے

✡

○ ماخوذ از "آزادی کی نظمیں"

اسرار الحق مجاز

نوجوان سے

جلال آتش و برق و سحاب پیدا کر
اجل بھی کانپ اٹھے وہ شباب پیدا کر

ترے خرام میں ہے زلزلوں کا راز نہاں
ہر ایک گام پہ اک انقلاب پیدا کر

صدائے تیشۂ مزدور ہے ترا نغمہ
تو سنگ و خشت سے چنگ و رباب پیدا کر

شراب کھینچی ہے سب نے غریب کے خوں سے
تو اب امیر کے خوں سے شراب پیدا کر

گرا دے قصر تمدن کہ اک فریب ہے یہ
اٹھا دے رسم محبت، عذاب پیدا کر

تو انقلاب کی آمد کا انتظار نہ کر
جو ہو سکے تو ابھی انقلاب پیدا کر

○ ماخوذ از ''ہندوستان ہمارا'' جلد دوم

تلوک چند محروم

آزاد ہند فوج

اے جیش سرفروش جوانانِ خوش نہاد
سینے پہ تیرے کند ہوئی تیغ اشتداد
غربت میں دی ہے تونے شجاعت کی خوب داد
اقوامِ دہر کرتی ہیں جرأت پہ تیری صاد

تو کامگار ہو، ترے دشمن ہوں نامراد
''ہندوستاں کی فوجِ ظفر موج زندہ باد!''

دریا و دشت و کوہ میں تیرا بگل بجے
جس کی صدا سے گنبدِ گردوں بھی گونج اٹھے
میداں میں موت بھی ہو مجسم جو سامنے
تیرے دلاوروں کے نہ ہوں پست حوصلے

ہو بلکہ ان کا جوشِ عمل اور بھی زیاد
''ہندوستاں کی فوجِ ظفر موج زندہ باد!''

پردیس میں جو کھیت رہے ہیں جواں ترے

ہیں دفن زیر خاک خزانے وہاں ترے
برما کے جنگلوں میں لہو کے نشاں ترے
نقش دوام ہیں وہ تہ آسماں ترے

تاروز حشر اہل وطن کو رہیں گے یاد
''ہندوستاں کی فوج ظفر موج زندہ باد!''

غالب تھا بسکہ ساحر افرنگ کا فسوں
دوسو برس سے تھا علم ہند سرنگوں
تونے دیار غیر میں دکھلا دیا کہ یوں
مردان کار کرتے ہیں باطل کو غرق خوں

باطل ہو خواہ کوہ گراں خواہ گردباد
''ہندوستاں کی فوج ظفر موج زندہ باد!''

۞

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال''، مرتب: علی جواد زیدی، 1959

مظفر

ہندیوں کا راج

کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ ہم سوراج دیکھیں گے
دیار ہند میں پھر ہندیوں کا راج دیکھیں گے

چھٹے گی قوم اپنی غیر جاتی کی حکومت سے
وطن کو غیر ملکوں کا نہ ہم محتاج دیکھیں گے

گڑے گا ہند میں جھنڈا مساوات و عدالت کا
رواداری نسل و رنگ کا اخراج دیکھیں گے

نہ ہندی کوش پر قبضہ رہے گا غیر حاکم کا
نہ بھارت ورش سے لیتے کسی کو باج دیکھیں گے

رضا کاران آزادی کی کوشش بارور ہوگی
مظفر کانگرس کی ہر طرف افواج دیکھیں گے

ہمیشہ ہر گھڑی طفل و جوان و پیر کے دل میں
وطن کے عشق کی اٹھتی ہوئی امواج دیکھیں گے

تکالیف و مصائب دور ہوں گے اہل بھارت کے
سنورتے ہند کے بگڑے ہوئے سب کاج دیکھیں گے

نہ آنے پائے گی کثرت سے ملک غیر کی چیزیں

نہ جاتا ہند سے ہندوستاں کا ناج دیکھیں گے
غریبوں کو بھی آئے گی میسر پیٹ بھر روٹی
یتیموں کو نہ دانے دانے کا محتاج دیکھیں گے
وجے کے ہار ہوں گے نہرو و گاندھی کی گردن میں
مقدس مادر بھارت کے سر پہ تاج دیکھیں گے
منائیں گے زمین ہند پر ہم جشن آزادی
فلک پر سے ہمیں خوش خوش تلک مہاراج دیکھیں گے

۞

○ ماخوذ از ''ضبط شدہ نظمیں''

وامق جونپوری

زنداں

یہ اونچی اونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

گولی کے یہ چلنے کی سن سن　　پھیلا ہوا ہے اگنی کا دامن
کس جرم کی ہیں یہ پاداشیں　　کیوں لوٹتی پھرتی ہیں لاشیں
اس ظلم کی کوئی حد بھی ہے　　آخر کوئی اس کا رد بھی ہے

یہ اونچی اونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

بہتی ہے یہاں الٹی گنگا　　نوکر چنگا مالک ننگا
کھانے کو لوہے کی تھالی　　گندی گندی کالی کالی
خونخوار نگاہوں کی سازش　　پیٹھوں پر کوڑوں کی بارش
ہاتھوں میں چکی کے چھالے　　ہر سانس پہ جینے کے لالے
قدغن ہے لبوں کے ملنے پر　　پابندیاں آنکھیں ملنے پر

یہ اونچی اونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

چھپ چھپ کے یہ ملنا آپس میں　　پھنکتے ہوئے دل کس کے بس میں

خاموش نظر کے بجے کارے — یہ بجے کارے یہ انگارے
اک روز قیامت ڈھائیں گے — بے نام و نشاں کر جائیں گے
یہ اونچی اونچی دیواریں
یہ زنجیروں کی جھنکاریں

✡

○ ماخوذ از ''اردو میں قومی شاعری کے سو سال'' مرتب: علی جواد زیدی، 1959

فہرست شعرا

[یہ اشاریہ ان سبھی شعرا کے اسما پر مشتمل ہے، جن کی تخلیقات اس کتاب کے چاروں حصوں میں شامل ہیں۔ یہ "فہرست شعرا" بہ اعتبار حروف تہجی مرتب کی گئی ہے۔]

☆☆☆